شمائل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

شائع کردہ:
شعبہ تعلیم وتربیت

دارالاسلام، 23-کلومیٹر ملتان روڈ، (نزد چوہنگ) لاہور
فون: 78-35473375(042)
www.tanzeem.org

وَاَحۡسَنَ مِنۡكَ لَمۡ تَرَ قَطُّ عَيۡنِي
وَاَجۡمَلَ مِنۡكَ لَمۡ تَلِدِ النِّسَآءُ
خُلِقۡتَ مُبَرَّاًَ مِّنۡ كُلِّ عَيۡبٍ
كَاَنَّكَ قَدۡ خُلِقۡتَ كَمَا تَشَآءُ

(حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ)

''اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ جیسا خوبصورت، میری آنکھ نے دیکھا نہیں اور آپ جیسا حسین، عورتوں نے جنا نہیں۔ آپ ہر عیب سے پاک پیدا کیے گئے گویا جیسے آپ خود چاہتے تھے ایسے ہی پیدا کیے گئے۔''

نام کتاب:	شمائل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	
طبع اول تا سوم:	(اپریل: 15ء تا نومبر 17ء)	5500
طبع چہارم، پنجم:	(فروری: 21ء، 22ء)	3300
طبع ششم:	(ستمبر: 2023ء)	2200
مقامِ اشاعت:	دار الاسلام، مرکز تنظیم اسلامی 23-کلومیٹر ملتان روڈ، چوہنگ، لاہور۔	
مطبع :	دار الناشر پرنٹنگ پریس، لاہور	
ہدیہ/ انفاق:		70 روپے

ترتیب

نسبِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	2
حرفِ چند	4
شمائل: معنی ومفہوم	18
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارک:	19
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اندازِ گفتگو:	26
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تقسیمِ اوقات:	32
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لوگوں سے میل جول:	37
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس کی کیفیت:	41
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھیوں کے ساتھ رویہ:	45
اُمِّ معبدؓ کی زبان سے آپ ﷺ کا وصف:	51
شمائل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موضوع پر چند کتابوں کی فہرست:	56
تخریج:	56
استفادہ برائے ترجمہ وتشریح:	56

نَسَبُ مُحَمّدٍ رَّسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم

عدنان
مَعَد
نِزار

مُضَر
الیاس
مُدرِکہ

خُزَیمہ
کِنانہ
نضر

مالک

فِہر (قُرَیش)
غالِب
لُؤی
کعب
مُرّہ
کِلاب
قُصَی
عبدمناف
ہاشِم
عبدالمطَّلِب (شیبہ)
عبداللہ

زَہرہ
عبدمناف
وہب
آمنہ

والدہ ماجدہ

مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ هَاشِمِ بْنِ عَبْدِ مَنَافِ بْنِ قُصَيّ بْنِ كِلَابِ بْنِ مُرَّةَ بْنِ كَعْبِ بْنِ لُؤَيّ بْنِ غَالِبِ بْنِ فِهْرِ بْنِ مَالِكِ بْنِ النَّضْرِ بْنِ كِنَانَةَ بْنِ خُزَيْمَةَ بْنِ مُدْرِكَةَ بْنِ إِلْيَاسَ بْنِ مُضَرَ بْنِ نِزَارِ بْنِ مَعَدّ بْنِ عَدْنَانَ (صحیح بخاری باب مبعث رسولؐ)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیاں

اُمّ حکیم
بَرّہ
اُمَیْمہ
عاتِکہ رضی اللہ عنہا
اَروی رضی اللہ عنہا
صَفِیّہ رضی اللہ عنہا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا

عبدالکعبہ (المقوّم)
حَجْل (غیداق)
زُبَیر
ضرار
ابوطالب
حارث
ابولہب
عباس رضی اللہ عنہ
حمزہ رضی اللہ عنہ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ
صلی اللہ علیہ وسلم

ازواجِ رسول ﷺ
(اُمّہاتُ المومنین)

- خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا
- سَودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا
- عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا
- حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا
- زینب بنت خُزَیمہ رضی اللہ عنہا
- زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا
- جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا
- اُمِّ حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا
- صَفِیّہ بنت حُیَیّ ابن اخطب رضی اللہ عنہا
- اُمِّ سلمہ بنت امیہ رضی اللہ عنہا
- مَیمُونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا

صاحبزادگان

- قاسم رضی اللہ عنہ
- عبداللہ رضی اللہ عنہ (طیب، طاہر)
- ابراھیم رضی اللہ عنہ

باندیاں

- ماریہ بنت شمعون قِبْطیہ رضی اللہ عنہا
- ریحانہ بنت زید القُرَظِیّہ رضی اللہ عنہا

صاحبزادیاں

- زینب رضی اللہ عنہا — زوجہ (ابوالعاص بن الربیع رضی اللہ عنہ)
  - علی رضی اللہ عنہ
  - اُمامہ رضی اللہ عنہا
- فاطمہ رضی اللہ عنہا — زوجہ (علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ)
  - حسن رضی اللہ عنہ
  - حسین رضی اللہ عنہ
  - محسن رضی اللہ عنہ
  - رقیہ رضی اللہ عنہا
  - اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا
  - زینب رضی اللہ عنہا
- رقیہ رضی اللہ عنہا — زوجہ (عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ)
  - عبداللہ رضی اللہ عنہ
- اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا — زوجہ (عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ)

اولادِ بناتِ رسول ﷺ

➢ تمام اولاد سیدہ خدیجہؓ سے تھی سوائے ابراہیمؓ کے کہ وہ سیدہ ماریہ قبطیہؓ سے تھے

➢ صاحبزادگانِ رسول ﷺ بچپن میں ہی فوت ہو گئے

حرفِ چند [۱]

(بہ موقع اشاعتِ دوم)

ربِّ کائنات کی بخشش وعطا ہو یا غلبہ وفتح یا نجات وفلاح، سبھی کا دارومدار ایمان پر ہے اور ایمان سراسر نام ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ماننے کا کہ فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

((مُحَمَّدٌ فَرْقٌ بَیْنَ النَّاسِ)) [۲]

''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو لوگوں کے درمیان وجہ امتیاز ہیں''

اور ایمان محض ماننے کا بھی نہیں بلکہ دل کے اس قدر گہرے شغف [۳] سے ماننے کا نام ہے کہ ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محبوب بن جائے۔ گویا ''حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' ہے تو ایمان ہے اور اگر اس میں کچھ فرق ہے تو ایمان غیر معتبر [۴] ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واشگاف [۵] انداز میں فرما دیا:

((لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ)) [۶]

''تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے اپنے والدین، اولاد اور تمام انسانوں سے محبوب تر نہ ہو جاؤں۔''

ایک دفعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا عمرؓ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے تھے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرطِ محبت [۷] سے کہا:

((یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَاَنْتَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ اِلَّا مِنْ نَّفْسِیْ))

''اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ مجھے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں سوائے

(۱) کچھ باتیں (۲) بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم (۳) بے حد محبت (۴) ناقابلِ اعتبار (۵) کھلا۔ واضح (۶) بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم (۷) محبت کا غلبہ

اپنی جان کے"

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں گویا سمجھاتے ہوئے فرمایا:

((لَا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْكَ مِنْ نَّفْسِكَ))

"نہیں مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم مجھ سے محبت کرو یہاں تک کہ اپنی جان سے بھی زیادہ۔"

اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی جان سے بڑھ کر مطلوب ہے تو انہوں نے بلاتوقف عرض کیا:

((فَاِنَّہُ الْاٰنَ وَاللّٰہِ لَاَنْتَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ نَّفْسِیْ))

"پس اب میں کہتا ہوں کہ آپ تو مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں"۔

اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ((اَلْاٰنَ یَا عُمَرُ)) "ہاں عمر اب تم نے صحیح بات کی۔"(۱)

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رِفعت (۲) محض "صحبت" ہی کے طُفَیل (۳) نہیں بلکہ "محبت" کے طُفَیل بھی ہے کہ وہ سچے مُحِبِّ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے کہ فی الحقیقۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر انہیں کوئی محبوب نہ تھا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((مَا کَانَ اَحَدٌ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ)) (۴)

"مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کوئی محبوب نہیں ہے۔"

صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاں محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام محبتوں حتیٰ کہ قریبی رشتہ داروں کی محبت سے بھی فائق (۵) تھی جیسا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس بابت پوچھے جانے پر فرماتے ہیں:

((کَانَ وَاللّٰہِ اَحَبَّ اِلَیْنَا مِنْ اَمْوَالِنَا وَاَوْلَادِنَا وَآبَائِنَا وَاُمَّھَاتِنَا

(۱) بخاری، کتاب الأیمان والنذور، باب کیف کانت یمین النبی ﷺ (۲) بلند مقام (۳) سبب۔ بدولت (۴) الشفا فی حقوق المصطفیٰ للقاضی عیاض، الباب الثانی فی لزوم محبتہ، فصل فیما روی عن السلف والائمۃ من اتباع سنتہ (۵) برتر

وَمِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ عَلَى الظَّمَاِ)) (۱)

''آپ ﷺ ہمیں مال و اولاد، اور اپنے ماں باپ سے بھی زیادہ محبوب ہیں اور ہمیں آپ ﷺ کے ساتھ محبت اس سے بھی زیادہ ہے جو کسی کو شدید پیاس میں ٹھنڈے پانی سے ہوتی ہے۔''

حضرت ابن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ جنگِ احد میں ایک انصاریہ صحابیہ رضی اللہ عنہا کے والد، خاوند اور بھائی شہید ہو گئے لیکن وہ رسول اللہ ﷺ کا پوچھتی رہیں جب انہیں آپ ﷺ کی خیریت کی اطلاع دی گئی تو وہ آپ ﷺ کو دیکھنے پہنچ گئیں اور جب دیکھ لیا تو کہنے لگیں ((كُلُّ مُصِيْبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ)) (۱) ترجمہ ''اے نبی ﷺ آپ کو خیریت سے پالینے کے بعد باقی مصیبتوں کا کوئی غم نہیں۔''

ان قدسی افراد کو اپنی خوشی سے بڑھ کر راحتِ رسول ﷺ عزیز تھی کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

((وَالَّذِیْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَاِسْلَامُ اَبِیْ طَالِبٍ كَانَ اَقَرَّ لِعَيْنِیْ مِنْ اِسْلَامِهٖ يَعْنِیْ اَبَاهُ اَبَا قُحَافَةَ وَذٰلِكَ اَنَّ اِسْلَامَ اَبِیْ طَالِبٍ كَانَ اَقَرَّ لِعَيْنِكَ)) (۱)

''اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ابو طالب اگر مسلمان ہو جاتے تو مجھے اپنے والد (یعنی ابو قحافہ رضی اللہ عنہ) کے قبول اسلام سے زیادہ خوشی ہوتی کیونکہ اس میں آپ ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان تھا۔''

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے کہتے ہیں:

((اَنْ تُسْلِمَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ يُّسْلِمَ الْخَطَّابُ لِاَنَّ ذٰلِكَ اَحَبُّ اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ)) (۱)

''آپ کے قبولِ اسلام سے مجھے اتنی خوشی ہو گی کہ اتنی اپنے والد کے قبولِ

(۱) (الشفا فی حقوق المصطفیٰ للقاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ، الباب الثانی فی لزوم محبته، فصل فیما روی عن السلف والائمة من اتباع سنته)

اسلام سے نہ ہوتی کیونکہ آپ کا قبولِ اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشی کا باعث ہے۔''

یہی نہیں بلکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اپنی جان سے بھی زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کیا کرتے تھے۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو مشرکینِ مکہ نے نہایت بہیمانہ [۱] طریقے سے شہید کیا، قبل از شہادت ان سے پوچھا گیا: ''کیا تم پسند کرتے ہو کہ تمہاری جگہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں اور تم اپنے گھر میں ہو؟'' اس محبِّ صادق نے (اللہ ان سے راضی ہو) بلا تامُّل [۲] جواب دیا اللہ کی قسم مجھے اپنے گھر میں رہنا اس قیمت پر بھی منظور نہیں کہ میرے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک کانٹا تک بھی چبھے'' تو آپ رضی اللہ عنہ مقتل [۳] میں اس دھج سے گئے کہ دعا کر رہے تھے، ''اے اللہ یہاں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میرا سلام پہنچائے، اے اللہ! تو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک میرا اسلام پہنچا دے۔''

ادھر یہ سلامِ محبت پیش ہو رہا ہے اور قبولیت دیکھیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''وَعَلَيۡهِ السَّلَامُ وَ رَحۡمَةُ اللّٰهِ'' کہا اور خبر دی کہ جبریل، خُبیب رضی اللہ عنہ کا سلام پہنچانے آئے تھے۔'' [۴]

زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو جب مشرکین گرفتار کر کے مکہ لے گئے تو ان کو قتل کرنے کے لیے حُدودِ حرم سے باہر تنعیم لے گئے اس موقع پر ابوسفیان (جو اس وقت تک اسلام نہ لائے تھے) نے ان سے پوچھا کیا تم پسند کرتے ہو کہ تمہارے بدلے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی (العیاذ باللہ) گردن ماردی جائے اور تم اپنے گھر میں اہل کے ساتھ خیریت سے رہو انہوں نے جواب دیا:

((وَاللّٰهِ مَا اُحِبُّ اَنَّ مُحَمَّدًا الۡاٰنَ فِیۡ مَكَانِهِ الَّذِیۡ هُوَ فِیۡهِ تُصِیۡبُهٗ شَوۡكَةٌ وَاَنِّیۡ جَالِسٌ فِیۡ اَهۡلِیۡ)) [۵]

(۱) وحشیانہ (۲) غور کیے بغیر (۳) قتل گاہ (۴) (مغازی للواقدی، غزوۃ الرجیع)
(۵) (الشفا فی حقوق المصطفیٰ للقاضی عیاض، الباب الثانی فی لزوم محبتہ، فصل فیما روی عن السلف والائمۃ من اتباع سنتہ)

''اللہ کی قسم میں تو یہ بھی نہیں پسند کرتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت جہاں موجود ہیں وہاں بھی ان کو کانٹا چبھے اور میں اپنے گھر چلا جاؤں۔''

اس پر ابوسفیان کہنے لگے: ''میں نے کسی کو کسی سے ایسی محبت کرتے نہیں دیکھا جیسی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ان کے ساتھی کرتے ہیں۔''

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت کا حال کیا تھا کہ انہیں موت اس لیے محبوب ہوگئی تھی کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کا ذریعہ بننے والی تھی:

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا جب آخری وقت آیا تو ان کی زوجۂ محترمہ شدتِ رنج والم سے پکار رہی تھیں: ((وَاوَيْلَاهُ)) ''ہائے مصیبت'' جبکہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نغمہ زن[1] تھے: ((وَافَرْحَاهُ)) ''شادمانی ہے شادمانی''[2]۔ اور یوں شعر پڑھ رہے تھے۔

غَدًا اَلْقِيَ الْاَحِبَّةَ مُحَمَّدًا وَّ حِزْبَهٗ[3]

''کل میں اپنے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ساتھیوں سے ملنے والا ہوں''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ عالم تھا کہ انہیں وہ جنت جس میں دیدارِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میسر نہ ہو باعثِ تشویش[4] تھی۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر گویا ہوئے:

((يَا رَسُوْلَ اللهِ وَاللهِ اِنَّكَ لَاَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ نَّفْسِيْ وَاِنَّكَ لَاَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَهْلِيْ وَاَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ وَّلَدِيْ وَاِنِّيْ لَاَكُوْنُ فِي الْبَيْتِ فَاَذْكُرُكَ فَمَا اَصْبِرُ حَتّٰى اٰتِيَكَ فَاَنْظُرُ اِلَيْكَ وَاِذَا ذَكَرْتُ مَوْتِيْ وَمَوْتَكَ عَرَفْتُ اَنَّكَ اِذَا دَخَلْتَ الْجَنَّةَ رُفِعْتَ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَاِنِّيْ اِذَا دَخَلْتُ الْجَنَّةَ خَشِيْتُ اَنْ لَّا اَرَاكَ))[5]

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ کی قسم میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی جان سے بھی زیادہ

(۱) گانے والا (۲) خوشی (۳) (تاریخ دمشق لابن عساکر، حرف الباء، بلال بن رباح أبوعبد الكريم ويقال أبوعبد الله ويقال أبوعمرو الحبشی) (۴) پریشانی

(۵) (المعجم الاوسط للطبرانی، جزء 1، ص 152، الناشر دار الحرمین۔ القاهرة، 1415)

محبت کرتا ہوں اور آپ ﷺ مجھے اپنی اولاد سے بھی زیادہ محبوب ہیں اور حال یہ ہے کہ جب میں اپنے گھر میں ہوتا ہوں اور آپ ﷺ کی یاد آتی ہے تو بے چین ہو جاتا ہوں اس وقت تک صبر نہیں آتا جب تک حاضرِ خدمت ہو کر آپ ﷺ کا دیدار نہ کرلوں، لیکن جب مجھے اپنی اور آپ ﷺ کی موت یاد آتی ہے تو سوچتا ہوں کہ جنت میں داخل ہونے کے بعد آپ ﷺ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بلند مقام پر ہوں گے اور جب میں جنت میں داخل ہوں گا (کم درجے کی وجہ سے) ڈرتا ہوں کہ آپ ﷺ کے دیدار سے محروم ہو جاؤں گا۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابی کی اس بات کا اس وقت تک کوئی جواب نہ دیا جب تک حضرت جبرائیل یہ آیت لے کر نہ آگئے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ (النساء:69)

''اور جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی وہ (جنت میں) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے یعنی انبیاءؑ، صدیقین، شہداء اور (عام) نیک لوگوں کے ساتھ۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے قیامت کی بابت دریافت کیا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((وَمَاذَا اَعْدَدْتَ لَهَا))

''تم نے اس کے لئے کیا سامان تیار کیا ہے؟''

انہوں نے بطورِ تواضع [1] عرض کیا:

((لَا شَيْءَ اِلَّا اَنِّيْ اُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ))

''کہ میں نے بجز اس کے کوئی تیاری نہیں کی کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو محبوب رکھتا ہوں''

اس پر حضور پُرنور ﷺ نے فرمایا:

(۱) انکساری

((اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ))

''تم اسی کے ساتھ ہو گے جس سے تم محبت رکھتے ہو''

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم اس خبر سے بڑھ کر کسی بات پر اتنے خوش نہیں ہوئے اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دوست رکھتا ہوں اور مجھے امیدِ واثق [۱] ہے کہ چونکہ مجھے ان حضرات سے محبت ہے لہٰذا میں ان کے ہمراہ ہوں گا اگرچہ میں نے ان حضرات جیسے اعمال نہیں کیے۔''[۲]

ہر الفت ومحبت کے کچھ تقاضے بھی ہوتے ہیں، چنانچہ حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لازمی تقاضا[۳] سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احیاء واِتّباع [۴] ہے:

((مَنْ اَحْيَا سُنَّتِيْ فَقَدْ اَحَبَّنِيْ)) [۵]

''جس نے میری سنت کو زندہ رکھا اسی نے مجھ سے محبت کی''

بانئ تنظیمِ اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے کتابچے ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہمارے تعلق کی بنیادیں'' میں اتباع کی حقیقت واضح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

دل کی حقیقی محبت، طبیعت کی پوری آمادگی اور ایک گہرے قلبی لگاؤ کے ساتھ جب انسان کسی کی پیروی کرتا ہے تو وہ صرف اس حکم ہی کی پیروی نہیں کرتا جو وہ اپنی زبان سے واضح الفاظ میں دے رہا ہو، بلکہ وہ اس کی ہر ادا کی پیروی کو اپنے لیے باعثِ سعادت [۶] سمجھتا ہے اور اس کے چشم وابرُو کے اشاروں کا منتظر رہتا ہے۔ وہ یہ دیکھتا ہے کہ میرے محبوب کو کیا پسند ہے اور کیا ناپسند، ان کی نشست وبرخاست کا طریقہ کیا ہے، ان کی گفتگو کا انداز کیا ہے، چلتے کس طرح ہیں، وہ لباس کون سا پہنتے ہیں، انہیں کھانے میں کیا چیز مرغوب ہے۔ ان چیزوں کے بارے میں خواہ کبھی کوئی حکم نہ دیا گیا ہو، لیکن جس کے دل میں کسی کی حقیقی محبت جاگزیں ہو جائے، جو کسی کا والہ وشیفتہ [۷] ہو جائے، اس کے لیے وہ احکام جو الفاظ میں دیے گئے

(۱) پختہ (۲) (بخاری، کتاب المناقب، باب مناقب عمر بن الخطاب) (۳) مطالبہ
(۴) پیروی (۵) (سنن الترمذی، کتاب العلم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة واجتناب البدع) (۶) خوش نصیبی (۷) عاشق

ہوں ،زبان سے ارشاد فرمائے گئے ہوں یا وہ کام جن کے کرنے کی ترغیب و تشویق[۱] دلائی گئی ہواُن کا تو کہنا ہی کیا، وہ تو ہیں ہی واجب التعمیل، ایسے شخص کے لیے توچشم وابرُ وکا اشارہ[۲] بھی حکمِ قطعی کا درجہ رکھتا ہے۔محبوب کی ہر ہر ادا کی نقّالی اوراس کے ہرقدم کی پیروی وہ اپنے اوپر لازم کرلیتا ہے۔ گویا:

جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں
خیاباں خیاباں اِرم[۳] دیکھتے ہیں

اس طرزِعمل کا نام ''اتباع'' ہےجس کی بڑی تابناک مثالیں ہمیں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں نظر آتی ہیں۔۔۔۔خالص عقلیت پسند (rationalist) لوگ تو شاید اس کوجنون اور خواہ مخواہ کا fanaticism[۴] کہیں،لیکن یہ عشق و محبت کا معاملہ ہے جس میں محبوب کے ہرنقشِ قدم کی پیروی دستورِ محبت شمار ہوتی ہے۔اگرکوئی فنا فی حبِ الرّسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہو جائے تو اس کا طرزِعمل اور رویہ یہی ہونا چاہیے۔۔۔۔شریعت کی رُو سے یہ نہ فرض ہے نہ واجب لیکن یہ محبت کے لوازم[۵] میں سے ہے کہ محبوب کے ہرنقشِ قدم کی پیروی اور ہر ادا کی نقّالی اپنے اوپر لازم کر لی جائے۔ اسی طرزِعمل کا نام قرآنِ مجید کی اصطلاح میں اتباع ہے۔اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قرآن مجید میں جو مقام ہے وہ سورۂ آلِ عمران کی آیت ۳۱ کے مطالعے سے سامنے آتا ہے۔فرمایا گیا:

﴿قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ وَیَغۡفِرۡلَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۳۱﴾﴾

(اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) آپ فرما دیجیے کہ اگرتم اللہ سے محبت رکھتے ہوتو میری اِتّباع کرو،(اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ) اللہ تم سے محبت کرے گا اورتمہاری خطاؤں کو معاف فرما دے گا،اور اللہ بہت معاف کرنے والا (اور) بہت رحم فرمانے والا ہے۔

(۱)شوق دلانا (۲)معمولی اشارہ (۳)روشِ چمن،وہ راستہ جو باغ کے درمیان میں ہوتا ہے۔(نوراللغات 2/510) (۴)مذہبی جنون (۵)لازمی چیزیں

اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کا لازمی تقاضا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اتباع ہے۔ اس اتباع کا ایک نتیجہ تو یہ نکلے گا کہ ہم اللہ کی محبت میں پختہ تر اور مضبوط تر ہوتے چلے جائیں گے اور دوسرا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہم اللہ کے محبوب اور اس کی مغفرت و رحمت کے سزاوار(۱) قرار پائیں گے۔ جن کو یہ مرتبہ مل جائے کہ وہ اللہ کے محبوب قرار پائیں ان کی خوش نصیبی اور خوش بختی کا کیا کہنا۔

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات کی طرف اشارہ فرمایا ہے ان میں سے چند کا ذکر یقیناً باعثِ برکت ہوگا:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک خاص جگہ سے گزرتے ہوئے سرِ مبارک کو قدرے جھکا لیا کرتے تھے، وجہ پوچھنے پر بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ایسے ہی کرتے دیکھا لہٰذا میں بھی اسی طرح کرتا ہوں۔(۲)

آپ رضی اللہ عنہ ہی کا طرزِ عمل یہ تھا کہ ایک خاص درخت کے نیچے قیلولہ(۳) فرمایا کرتے تھے اور بتایا کرتے تھے کہ یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آرام فرمایا کرتے تھے آپ رضی اللہ عنہ اس درخت کی جڑوں میں پانی بھی ڈالا کرتے تھے کہ کہیں سوکھ نہ جائے چاہے آپ رضی اللہ عنہ کے پاس پانی کا ایک ہی برتن کیوں نہ ہو۔(۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک دفعہ مسجدِ نبوی کے ایک خاص دروازے کو خواتین کے لیے مخصوص کرنے کی خواہش کا اظہار کیا لیکن عملاً اس کا فیصلہ نہیں فرمایا حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ مرتے دم تک اس دروازے سے داخل نہیں ہوئے۔(۵)

(۱) مستحق (۲)(مسند احمد، مسند المکثرین من الصحابہ، مسند عبداللہ بن عمر)
(۳) دوپہر کو کھانے کے بعد قدرے آرام کرنا (۴) (مسند البزاز، مسند عبداللہ بن عمر، الابانۃ الکبری لابن بطہ العکبری کتاب الایمان، باب ماذکر ماجاءت بہ السنۃ من طاعۃ رسول اللہ ،صحیح ابن حبان، کتاب اخبارہ اعن مناقب الصحابۃ، باب ذکر تتبع ابن عمر آثار رسول اللہ) (۵)(سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ باب فی اعتزال النساء فی المساجد عن الرجال)

حضرت قُرّہ بن ایاس **المُزَنِی** رضی اللہ عنہ ایک دُور دراز علاقے سے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بس اسی ایک موقع پر دیکھا تھا اور اتفاق سے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گریبان کھلا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھلے گریبان کے ساتھ دیکھ کر انہوں نے اور ان کو دیکھ کر ان کے بیٹے حضرت معاویہ بن قرہؒ (تابعی) نے پھر ساری عمر چاہے سردی ہو یا گرمی اپنے گریبان کے بٹن نہیں لگائے۔ (۱)

سیدنا سلمہ بن اکوَع رضی اللہ عنہ مسجدِ نبوی کے ایک خاص ستون کے پاس نماز پڑھا کرتے تھے اور بتاتے تھے کہ میں نے یہاں رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا تھا۔ (۲)

دورانِ سفرِ حج، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذوالحلیفہ کے مقام پر قیام فرمایا تو بعد میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی اسی جگہ قیام فرماتے رہے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیام فرمایا تھا اور اپنی سواری کو بھی اسی جگہ بٹھایا کرتے تھے جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی سواری کو بٹھایا تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے سیدنا سالم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ہمیں اسی جگہ اتارا تھا۔ (۳)

موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے (درمیانی) راستے میں کئی مقامات کو تلاش کر کے ان پر نماز پڑھا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ میرے والد صاحب (سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ) ایسا ہی کیا کرتے تھے کیونکہ انہوں نے ان مقامات پر رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا تھا۔ (۴)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ طرزِ عمل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی وجہ سے تھا تو سوال یہ

(۱) (سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب حل الازار) (۲) (صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب دُنُو المصلی من السترہ) (۳) (صحیح بخاری کتاب الحج، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم العقیق وادٍ مبارک) (۴) (صحیح البخاری، کتاب الصّلاۃ، باب المساجد التی علی طرق المدینہ والمواضع التی صلی فیھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

ہے کہ محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسے پیدا کی جائے؟

تو یہ کلید[1] محبت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے الفاظ سے معلوم ہوتی ہے کہ وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفت بیان کرتے ہوئے کہا کرتے تھے: **مَنْ خَالَطَهٗ مَعْرِفَةً اَحَبَّهٗ**[2] ترجمہ: ''جو آپ سے ملتا جلتا آپ کی معرفت کے ساتھ (یا معرفت کی غرض سے) وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے لگتا۔''

محبت کا یہ وُفُور[3] ظہورِ جمالِ خَلق، اظہارِ کمالِ خُلق اور فیضانِ نوالِ حق[4] کے سبب تھا اور ہمیشہ سے محبت کے اسباب، جمال و کمال اور نوال ہی رہے ہیں۔ پس جب وہ جمالِ دل فروز، صورتِ مہرِ نیم روز نظّارہ سوز ہُوا تو جس کسی نے جمال و کمالِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا نظّارہ اور نوالِ نبویؐ سے استفادہ کر لیا تو محبت کیے بغیر اس سے رہا نہ گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمال و جلال محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی جلوہ آرائی[5] اور کمال محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی کرم فرمائی کو بچشمِ سر[6] دیکھنے کا موقع ملا یہاں تک کہ بعضوں کا بیان ہے کہ جلال کے سبب ہم سے آنکھ بھر کے دیکھا نہ گیا اور بعض فرماتے ہیں کہ جمال کے سبب نظر ہٹائی نہ گئی۔ بہر حال ہمیں رویتِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام و صحبتِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام حاصل نہیں۔ ہمارے لیے تو بس رویتِ قلبی کا راستہ کھلا ہے ؎

ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی[7]

یہ صُحبتِ معنوی ہے جیسا کہ عبداللہ ابن مبارکؒ اپنی تنہائی کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صُحبت میں رہتا ہوں اور پوچھنے پر بتایا کرتے کہ اپنے مطالعۂ حدیث کے ذریعے۔

(۱) چابی۔کنجی (۲) (سنن الترمذی، کتاب المناقب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب ما جاء فی صفة النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) (۳) کثرت (۴) اللہ تعالیٰ کا عطیہ (۵) نظارہ کرانا (۶) سر کی آنکھوں سے (۷) دیدۂ دل وا کرنا، دل کی آنکھ کھولنا

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

لہٰذا یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ آج اس صحبتِ معنوی اور معرفتِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا راستہ سیرت وشمائل محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا مطالعہ ہے۔

اَخِلَّائِیْ اِنْ شَطَّ الْحَبِیْبُ وَرَبْعُهٗ
وَعَزَّ تَلَاقِیْهِ وَنَأَتْ مَنَازِلُهٗ
وَفَاتَکُمْ اَنْ تَنْظُرُوْهُ بِعَیْنِکُمْ
فَمَا فَاتَکُمْ بِالسَّمْعِ فَهٰذِهٖ شَمَائِلُهٗ(۱)

’’میرے دوستو! اگرچہ محبوب دور ہو گیا ہے، ملاقات کٹھن اور رستے جدا ہو گئے۔ اس کا اپنی آنکھوں کے ذریعے دیدار تم سے چلا گیا تو اس کے شمائل کا سننا سنانا تو تم سے کہیں نہیں گیا۔‘‘

اور کہا کسی دوسرے کہنے والے نے ۔

یَا عَیْنُ اِنْ بَعُدَ الْحَبِیْبُ وَدَارُهٗ
وَنَأَتْ مَرَابِعُهٗ وَشَطَّ مَزَارُهٗ
فَلَقَدْ ظَفِرْتِ مِنَ الْحَبِیْبِ بِطَائِلٍ
اِنْ لَّمْ تَرِیْهِ فَهٰذِهٖ آثَارُهٗ(۲)

’’اے انکھیو! اگر حبیب اور اس کے ٹھکانے سے دوری پڑ گئی، اس کے راستے جدا ہو گئے اور زیارت مشکل ہو گئی تو کیا ہُوا تم نے محبوب کی یادیں تو محفوظ کر ہی لی ہیں ، کیا ہُوا اگر تم ذاتِ محبوب کو نہیں پاتیں اس کے آثار تو ہیں نا انہی سے لَو لگائے رکھو۔‘‘

پس شمائل و آثار محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے التزام(۳) سے یقیناً محبت پیدا ہونے کا قوی

(۱) مقدمہ جمع الوسائل فی شرح الشمائل لمُلّا علی القاری (۲) مقدمہ جمع الوسائل فی شرح الشمائل لمُلّا علی القاری (۳) لازم کر لینا

امکان ہے اور محبت بھی شدید ترین جس کے بارے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

((مِنْ اَشَدِّ اُمَّتِیْ لِیْ حُبًّا نَاسٌ یَّکُوْنُوْنَ بَعْدِیْ یَوَدُّ اَحَدُھُمْ لَوْ رَآنِیْ بِاَھْلِهٖ وَمَالِهٖ)) (1)

"میری امت میں سے سب سے زیادہ میرے ساتھ محبت کرنے والے کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو میرے بعد آئیں گے ان میں سے ہر ایک کی خواہش ہو گی کہ اپنے اہل وعیال اور مال ومنال (2) قربان کر کے بھی مجھے دیکھ پائے تو دیکھ لے۔"

حصولِ محبتِ رسول ﷺ کا دوسرا ذریعہ جو دراصل پہلے ہی کی توسیع ہے درود وسلام کی صورت میں ہمیں دستیاب ہے۔ یوں کہیے کہ یہ معرفتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہی کا لازمی نتیجہ ہے کہ جو ذاتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے فیوض وانوار کو محسوس کر لے وہ کہے بنا رہ نہیں پاتا۔

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِهٖ کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِهٖ
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِهٖ صَلُّوْا عَلَیْهِ وَآلِهٖ (3)

رابعہ العدویہ رحمۃ اللہ علیہا کا مشہور قول ہے: ((مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اَکْثَرَ مِنْ ذِکْرِهٖ)) "جب کوئی کسی سے محبت کرتا ہے تو اس کا ذکر بھی بکثرت کرتا ہے"۔ پس درود وسلام حُبُّ النبی ﷺ کا مظہر ہے اور فضائل اس کے بے شمار اور ان سب پر دال، جامع علمِ قدیم، فاتحِ دورِ جدید حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ "میرے والد صاحب نے مجھے درود شریف کو روزانہ کا معمول بنانے کی وصیت کی اور فرمایا ہم نے جو پایا اسی کے دم سے پایا"۔ (4) پس درودِ مصطفیٰ ﷺ پر دوام کرنا چاہیے اور کم سے کم دس بار صبح وشام درود کا

(۱) (مسلم، کتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب فيمن يود رؤية بي ﷺ بأهله وماله)
(۲) جائیداد (۳) ترجمہ: آپ ﷺ اپنے کمالات کی بدولت انتہائی بلندی پر فائز ہو گئے۔ آپ ﷺ نے اپنے حُسن وجمال سے تاریکیاں دور کر دیں۔ آپ کے تمام خصائل حسین ہیں۔ آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی آل پر درود وسلام ہو۔ (۴) شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل صفحہ 177

اہتمام کرلیا جائے کہ یہ حدیث صریح وصحیح کے مطابق شفاعتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے حصول کا ذریعہ بھی ہے۔ بالخصوص شمائل شریف کے مطالعے کے اول و آخر تو اہتمام ضرور ہو کہ فرامینِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں دعاؤں کے اول و آخر پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے اور نعت و تعریفِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بمنزلۂ دعا کے ہے کیونکہ سراسر[۱] موجبِ رحمت[۲] ہے۔ اور یوں بھی بعض اہل دل نے اپنا تجربہ بیان کیا ہے کہ شمائل کے مطالعے کے بعد درود وسلام پڑھنے کے شوق ولذت میں وہ اضافہ دیکھا گیا کہ الفاظ میں احاطہ محال ہے۔

ہماری غرض اس رسالے سے فلاحِ آخرت اور شفاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے اور عرض قارئینِ کرام سے دعا کی ہے کہ اللہ اس غرض میں ہم سب کو سچا بنادے اور نیز دعا میں یاد رکھیں ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے اساتذہ عظّام کو بھی کہ ''جیں اے بُوٹی لائی ہُو''[۳] کے مصداق ہیں اور انجینئر حافظ نوید احمد رحمۃ اللہ علیہ کو بھی کہ ترجمہ وتشریح میں ان کی رہنمائی حاصل رہی۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِيْ يُبَلِّغُنَا حُبَّكَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَيْنَا مِنْ اَنْفُسِنَا وَاَمْوَالِنَا وَاَهْلِنَا وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ[۴] (سُنَن ترمذی)

مرکزی شعبہ تعلیم و تربیت
تنظیم اسلامی

(۱) تمام تر (۲) باعثِ رحمت (۳) (مصرع کلامِ باہوؒ) جس نے یہ خوشبودار پودا لگایا ہے۔
(۴) اے اللہ! ہم تجھ سے تیری محبت کا سوال کرتے ہیں اور اس شخص کی محبت کا بھی سوال کرتے ہیں جو تجھ سے محبت کرتا ہے اور ایسا عمل چاہتے ہیں جو ہمیں تیری محبت تک پہنچا دے۔ اے اللہ! تو اپنی محبت کو ہمیں ہماری جان ہمارے مال اور ہمارے گھر والوں سے زیادہ محبوب بنادے۔ اے اللہ! اپنی محبت کو ٹھنڈے پانی کی محبت سے بھی زیادہ کردے۔

شمائل: معنی ومفہوم

شمائل لفظِ شمال کی جمع ہے جس کے ایک معنی عادت، طبیعت اور خصلت کے ہیں۔ شمائلِ نبوی ﷺ سے آپ ﷺ کی عادات و اخلاق اور خصائل مراد ہیں۔ اس موضوع کے تحت آپ ﷺ کی ظاہری و باطنی صورت اور سیرت، آپ ﷺ کا اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، سونا جاگنا، مزاج و عادات، معاشرت اور لباس وغیرہ زیرِ بحث آتے ہیں۔ ویسے تو حدیث و سنّتِ رسول ﷺ کی تمام کتب میں نبی اکرم ﷺ کے بارے میں یہ معلومات مل جاتی ہیں لیکن محدثین نے درجنوں کی تعداد میں کتب خاص اسی موضوع پر مرتب کی ہیں۔ زیر نظر کتابچے میں دو روایات کو جمع کیا گیا ہے۔ پہلی روایت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے منقول ایک طویل ترین روایت ہے جو شمائلِ ترمذی میں مختلف ابواب کے تحت نقل ہوئی ہے۔ البتہ سیرت و شمائل کی کئی کتابوں میں یہ روایت یکجا بھی دستیاب ہے۔ امام ابن الاثیر (606ھ) نے جامع الاصول فی احادیث الرسول میں اسے سب سے بہترین اور مکمل ترین روایت قرار دیا ہے۔ دوسری روایت اُمِّ معبد عاتکہ بن خالد الخزاعیہ رضی اللہ عنہا سے منقول اور فصاحت و بلاغت کا شاہکار[۱] ہے۔ جو امام ابوبکر احمد بن حسین البیہقی نے دلائل النبوہ میں اور امام حاکم نے مستدرک علی الصحیحین میں نقل کی ہے۔ امام ابنِ کثیر اور تقریباً تمام ہی سیرت نگاروں نے اس روایت کو نقل کیا ہے۔ ان دو روایات کے مطالعے سے انسان کو شمائل کے موضوع کا ایک تعارف تو حاصل ہو جاتا ہے لیکن تفصیلی مطالعے کے لیے اس موضوع پر کسی کتاب کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔[۲]

(۱) بہت بڑا کارنامہ (۲) کتابچے کے آخر میں چند کتابوں کے نام دیے گئے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارک

عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہما قَالَ: سَأَلْتُ خَالِيْ هِنْدَ بْنَ أَبِيْ هَالَةَ رضی اللہ عنہ، وَكَانَ وَصَّافًا عَنْ حِلْيَةِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ (۱) سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارک دریافت کیا اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیہ مبارک کو بہت ہی اچھی طرح بیان کیا کرتے تھے۔

وَأَنَا أَشْتَهِيْ أَنْ يَّصِفَ لِيْ مِنْهَا شَيْئًا أَتَعَلَّقُ بِهٖ

مجھے یہ خواہش ہوئی کہ وہ ان اوصافِ جمیلہ میں سے کچھ میرے سامنے بھی ذکر کریں تاکہ میں ان کو اپنا سکوں۔ (۲)

فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَخْمًا مُفَخَّمًا

پس وہ یوں بیان کرنے لگے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اپنی ذات وصفات میں عالی رتبہ تھے اور دوسروں کی نظر میں بھی ایسے ہی سمجھے جاتے تھے۔ (۳)

(۱) یہ ام المومنین سیدہ خدیجہؓ کے پہلے خاوند سے بیٹے یعنی سیدہ فاطمہؓ کے ماں کی طرف سے بھائی تھے۔

(۲) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ''اپنانے'' سے علمی وعملی ہر دو پہلو مراد ہیں یعنی ان اوصاف جمیلہ کو اپنے دل و دماغ میں محفوظ کر کے آگے بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی عادات و کردار کا حصہ بنا سکوں۔ اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذوق کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افکار و نظریات کے ساتھ ساتھ آپ کی شخصیت کے بھی والہ و شیدا تھے اور اس بارے میں سیکھا کرتے تھے اور بعض صحابہؓ شمائل کے بیان کے ماہر بھی تھے۔ نیز اس روایت سے سیدنا حسنؓ کے ذوقِ علمی اور شوقِ پیرویِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم ہوتا ہے اور یہ بھی کہ عاداتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق کی ایک بنیاد ہے جیسا کہ بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ نے اپنی کتاب ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہمارے تعلق کی بنیادیں'' میں بیان کیا ہے۔ پس شمائل کو علمی و عملی طور پر اختیار کرنا چاہیے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کے ساتھ تعلق بنایا جا سکے۔

(۳) ایک روایت میں آتا ہے کہ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اچانک دیکھتا اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہیبت چھا جاتی اور جو واقفیت کے بعد کچھ صحبت کی سعادت حاصل کرتا وہ محبت کرنے لگتا۔ (شمائل ترمذی)

يَتَلَأْلَأُ وَجْهُهٗ تَلَأْلُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ

آپ ﷺ کا چہرہ مبارک چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔

اَطْوَلَ⁽¹⁾ مِنَ الْمَرْبُوْعِ وَاَقْصَرَ مِنَ الْمُشَذَّبِ

آپ ﷺ کی قامت درمیانے قد سے کسی قدر طویل تھی، لیکن لمبے قد سے بہر حال کم تھی۔

عَظِيْمَ الْهَامَةِ

سرِ اقدس بڑا تھا(۲)

رَجِلَ الشَّعْرِ اِنِ انْفَرَقَتْ عَقِيْقَتُهٗ فَرَّقَهَا وَاِلَّا فَلَا

زلفیں کسی قدر بل کھائے ہوئے تھیں۔ اگر خود ہی مانگ نکل آتی تو مانگ رہنے دیتے ورنہ بالوں کو ایسے ہی رہنے دیتے(۳)

يُجَاوِزُ شَعْرُهٗ شَحْمَةَ اُذُنَيْهِ اِذَا هُوَ وَفَّرَهٗ

جب آپ ﷺ کے بال وفّرہ ہوتے تو کانوں کی لو سے تجاوز نہ کرتے(۴)

(۱) قواعد لغت کے مطابق (اَطْوَلَ) (اَقْصَرَ) اور (عَظِيْمَ) وغیرہ (كَانَ) کی خبر بھی سمجھے جا سکتے ہیں اور مبتدائے محذوف کی اخبار بھی، اول صورت میں یہ الفاظ منصوب یعنی ان کے آخری حرف پر زبر آئے گی اور دوسری صورت میں یہ مرفوع یعنی آخری حرف پر پیش آئے گی۔ چنانچہ بعض کتابوں میں یہ الفاظ منصوب آئے ہیں اور بعض میں مرفوع، بعض اوقات ایک لفظ ایک کتاب میں منصوب ہے اور دوسری میں وہ مرفوع ہے۔ ہم نے اعراب کے معاملے میں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ کی شرح خصائل نبوی ﷺ کے متن کی پیروی کی ہے۔ (۲) علامہ خضریؒ فرماتے ہیں بڑا سر، قوائے ذہنی کے کمال اور سرداری کی نشانی ہوا کرتا ہے (منتهى السؤال) (۳) آپ ﷺ کا خود مانگ نکالنا بھی روایات سے ثابت ہے اس لیے اس جملے کی یہ توجیہ کی گئی ہے کہ جب مانگ نکالنے کی سہولت موجود نہ ہوتی تو نہ نکالتے بعد میں نکال لیتے۔ (۴) کانوں کی لو تک پہنچنے والے بال وَفْرہ، کندھوں پر پڑے بال جُمہ اور وہ بال جو وفرہ سے تو بڑے ہوں لیکن جُمہ سے چھوٹے ہوں لِمّہ کہلاتے ہیں۔ روایات کے مطابق مختلف اوقات میں آپ ﷺ کے لیے تینوں قسم کی زلفوں کا ثبوت ملتا ہے اس کی ایک توجیہہ یہ کی گئی ہے کہ اطراف کے بال تو کانوں کی لو تک پہنچتے تھے اور پیچھے کے بال کندھوں تک۔

اَزْهَرَ اللَّوْنِ وَاسِعَ الْجَبِيْنِ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاف شفاف رنگت کے حامل تھے۔ جبین مُقدّس فراخ و کُشادہ تھی۔

اَزَجَّ الْحَوَاجِبِ سَوَابِغَ فِيْ غَيْرِ قَرَنٍ

ابرو باریک اور خم دار اور بھرپور تھے لیکن آپس میں ملے ہوئے نہیں تھے۔

بَيْنَهُمَا عِرْقٌ يُدِرُّهُ الْغَضَبُ

ان کے درمیان ایک رگ مبارک تھی جو غصے کے وقت ابھر کر سامنے آتی تھی۔ (۱)

اَقْنَى الْعِرْنَيْنِ لَهٗ نُوْرٌ يَّعْلُوْهُ

ناک مبارک باریک، لمبی اور درمیان میں سے مُحدَّب (کسی عضو کا وہ حصہ جو اوپر کو ابھرا ہوا ہو) تھی اور اس پر ایک نور نظر آتا تھا۔ (۲)

يَحْسَبُهٗ مَنْ لَّمْ يَتَاَمَّلْهُ اَشَمَّ

جس نے غور سے نہ دیکھا ہو وہ اسے اُبھرا ہوا سمجھتا تھا۔

كَثَّ اللِّحْيَةِ (۳) سَهْلَ الْخَدَّيْنِ

رِیشُ مُقدّس گھنی (اور بڑی) تھی۔ رخسار شریف ہموار تھے۔

(۱) یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شجاعت اور قُوّتِ غضب کی شدت ہے لیکن اس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کمالِ ضبط بھی حاصل تھا۔ (۲) (يَعْلُوْهُ) کی ضمیر ناک کی طرف بھی راجح ہو سکتی ہے اور آپ کی ذات کی طرف بھی یعنی آپ کی ناک کے اوپر، پیشانی میں روشنی چھائی رہتی یا آپ کے سر کے اُوپر نُور کا ایک ہالہ سا رہتا بہرحال یہ نور اتنا ہلکا ہوتا کہ غور سے نہ دیکھنے والے آپ کی ناک یا قامت کو بلند سمجھتے اور بغور دیکھنے سے وہ نور دکھتا، (منتهى السؤال و فیض القدیر) بعض اوقات معجزاتی طور پر یہ نور زیادہ ہو جاتا جیسے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک رات میں نے اسی روشنی میں سُوئی ڈھونڈ لی تھی (الشمائل الکبریٰ) (۳) (مُسند احمد میں ہے: (عَظِيْمَ اللِّحْيَةِ) آپ کی داڑھی بڑی تھی۔ ایک روایت میں ہے: (قَدْ مَلَأَتْ لِحْيَتُهٗ مِنْ لَدُنْ هٰذِهٖ اِلٰى هٰذِهٖ وَاَشَارَ بِيَدِهٖ اِلٰى صُدْغَيْهِ حَتّٰى كَادَتْ تَمْلَأُ نَحْرَهٗ) ◂◂

ضَلِیْعَ الْفَمِ، مُفَلَّجَ الْاَسْنَانِ

دہن مبارک کشادہ تھا۔ دانت مبارک کھلے اور کشادہ تھے۔

اَکْحَلُ الْعَیْنَیْنِ وَلَیْسَ بِاَکْحَلَ (۱)

آنکھیں سرمے کے بغیر بھی سرمگیں تھیں۔

اَدْعَجُ الْعَیْنَیْنِ اَھْدَبُ الْاَشْفَارِ (۲)

آنکھیں خوب سیاہ اور پلکیں گھنی اور لمبی تھیں۔

دَقِیْقَ الْمَسْرُبَۃِ

سینے کے درمیان سے لے کر ناف تک بالوں کی ایک باریک لکیر سی تھی۔

کَاَنَّ عُنُقَہٗ جِیْدُ دُمْیَۃٍ فِیْ صَفَاءِ الْفِضَّۃِ

آپ ﷺ کی گردن مبارک گویا ہاتھی دانت سے ڈھلی ہوئی مورتی کی گردن تھی اور چاندی کی طرح سفید وصاف تھی۔

مُعْتَدِلُ الْخَلْقِ، بَادِنٌ مُتَمَاسِکٌ

آپ ﷺ کے تمام ہی اعضا مُتناسب تھے۔ آپ ﷺ مضبوط اور گٹھے ہوئے جسم کے مالک تھے۔

سَوَاءُ الْبَطْنِ وَالصَّدْرِ

سینہ اور پیٹ برابر اور ہموار تھے۔

◄◄ آپ کی داڑھی نحر تک پہنچتی تھی اور راوی نے ہاتھ کے ساتھ کنپٹیوں سے نحر تک اشارہ بھی کیا۔ (المصنف لابن ابی شیبۃ و مسند احمد وَقَال الھیثمی فی المجمع رجالہ ثقات) الشیخ محمد صالح المُنجد فرماتے ہیں (النَحرُ ھُوَ اَعلَی الصَّدرِ وَھُوَیَدُلُّ عَلٰی اِعتِدَالِ طُولِھَا وَ تَوَسُّطِہٖ) نحر سینے کے اوپر والے حصے کو کہتے ہیں۔(islamqa.info/ar/14716//:https)

(۱) شمائل الترمذی عن جابر بن سمرۃؓ (۲) شمائل الترمذی عن علیؓ بن ابی طالب۔

عَرِيْضُ الصَّدْرِ، بَعِيْدُ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ
سینہ مبارک کشادہ اور عریض تھا۔ دونوں کندھوں کے درمیان فاصلہ تھا۔
(یعنی چوڑے چکلے شانوں کے مالک تھے)۔
(بَيْنَ كَتِفَيْهِ خَاتَمُ النُّبُوَّةِ) (۱)
اور کندھوں کے درمیان مہرِ نبوت تھی۔
ضَخْمُ الْكَرَادِيْسِ، اَنْوَرُ الْمُتَجَرَّدِ
جوڑوں کی ہڈیاں بڑی اور پُر گوشت تھیں۔ جسم کے جس حصے سے کپڑا اٹھتا وہ چمکتا تھا۔
مَوْصُوْلُ مَا بَيْنَ اللَّبَّةِ وَالسُّرَّةِ بِشَعْرٍ يَجْرِيْ كَالْخَطِّ
سینے کے اوپر سے ناف تک بالوں کی باریک لکیر ناف سے جا ملتی تھی۔
عَارِيُ الثَّدْيَيْنِ وَالْبَطْنِ مِمَّا سِوٰى ذٰلِكَ
دونوں چھاتیاں اور بطن شریف اس لکیر کے علاوہ مزید بالوں سے صاف تھے۔
اَشْعَرُ الذِّرَاعَيْنِ وَالْمَنْكِبَيْنِ وَاَعَالِي الصَّدْرِ
البتہ بازوؤں (کہنی سے کلائی تک)، کندھوں اور سینے کے بالائی حصے پر بال موجود تھے۔
طَوِيْلُ الزَّنْدَيْنِ رَحْبُ الرَّاحَةِ
کلائیاں لمبی تھیں، ہتھیلیاں کشادہ تھیں۔ (۲)
شَثْنُ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ

(۱) مُہرِ نبوّت کبوتر کے انڈے کے برابر اُبھرا ہوا گوشت تھا اور اوپر بال تھے۔ تورات میں یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نشانی کے طور پر مذکور تھی۔ عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ نے قبولیتِ اسلام کے موقع پر اسے تقاضا کر کے دیکھا تھا۔ (۲) کہا جاتا ہے کہ کشادہ ہتھیلیاں سخاوت کی علامت ہیں۔

ہاتھ اور پیر بڑے اور پُر گوشت تھے۔ (۱)

سَائِلُ الْاَطْرَافِ اَوْ قَالَ شَائِلُ الْاَطْرَافِ

انگلیاں لمبی تھیں۔

خُمْصَانُ الْاَخْمَصَیْنِ

پاؤں کے تلوے درمیان میں سے قدرے گہرے تھے۔

مَسِیْحُ الْقَدَمَیْنِ، یَنْبُوْ عَنْهُمَا الْمَاءُ

قدم ہموار اور اتنے ملائم تھے کہ پانی تیزی سے پھسل جائے۔

اِذَا زَالَ زَالَ قَلْعًا (۲)

چلتے تو قوت کے ساتھ پاؤں اٹھاتے ہوئے چلتے۔ (۳)

(۱) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی کوئی ریشم و دیباج بھی ایسا نہیں چھوا جو آپ ﷺ کے ہاتھ سے نرم ہوتا اور میں نے کوئی مشک و عنبر بھی آپؐ کی یا آپؐ کے پسینے کی خوشبو سے زیادہ عمدہ نہیں پایا (بخاری) ابو جحیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو دیکھا وہ آپ ﷺ کا ہاتھ لے کر اپنے چہرے پر پھیر رہے تھے پس میں نے بھی آپ ﷺ کا دستِ اقدس پکڑ کر اسے چہرے پر رکھا تو وہ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور خوشبو میں مشک سے بھی بڑھ کر تھا (بخاری)۔ آپ کے بدن اطہر اور پسینے مبارک میں مخصوص خوشبو ہوا کرتی تھی (مسلم)۔ آپ کے لعاب کی برکت سے کنویں کے پانی کا خوشبودار ہو جانا مُسند احمد میں مذکور ہے۔ ایک دلہن کو آپ کے پسینے کی خوشبو کے ذریعے معطر کرنے کا واقعہ بھی موجود ہے (فتح الباری بحوالہ معجم کبیر)۔ ایک صحابی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنے ساتھ چمٹایا تو آپ کی بغل کا پسینہ میرے جسم کے ساتھ لگ گیا تو اس میں سے مشک کی سی خوشبو آ رہی تھی (سُنَن دارمی)۔ سیدہ ام سلیمؓ نے نبی اکرم ﷺ کا کچھ پسینہ ایک شیشی میں جمع کر لیا تو آپ کے پوچھنے پر بتایا میں اسے اپنے گھر کی خوشبو میں ملاؤں گی کہ یہ بہترین خوشبو ہے اور میں اسے اپنی اولاد کے لیے برکت کا ذریعہ بناؤں گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا تُو نے ٹھیک کیا۔ (مسلم) نبی ﷺ کے لعاب کی برکت سے سیدنا علیؓ کی آنکھوں کا ٹھیک ہونا اور لوگوں کا سیدہ اُمِ سلمہؓ کے پاس محفوظ آپ کے بالوں کو دھو کر اس پانی سے مریضوں کا علاج کرنا صحیح بخاری میں مروی ہے۔

(۲) (قُلْعًا و قَلِعًا) بھی وارد ہوا ہے۔ (جمع الوسائل) (۳) پیچھے آپ کی خوبصورتی کا بیان

يَخْطُوْ تَكَفِّيًا وَيَمْشِىْ هَوْنًا

پاؤں جما کر نرمی اور وقار کے ساتھ چلتے۔

ذَرِيْعُ الْمِشْيَةِ

لمبے قدموں کے ساتھ تیزی سے چلتے۔

اِذَا مَشٰى كَاَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ

جب چلتے تو یوں محسوس ہوتا جیسے کسی بلند جگہ سے اتر رہے ہیں۔

وَاِذَا الْتَفَتَ الْتَفَتَ جَمِيْعًا

جب کسی کی طرف مڑتے تو پورے جسم کے ساتھ مڑتے (صرف گردن گھما کر نہ دیکھتے)۔

خَافِضُ الطَّرْفِ

نظروں کو جھکائے رکھتے تھے۔

نَظْرُهٗ اِلَى الْاَرْضِ اَطْوَلُ مِنْ نَظْرِهٖ اِلَى السَّمَآءِ

آپ کی نظر آسمان سے زیادہ زمین کی طرف رہا کرتی تھی [۱]

جُلُّ نَظْرِهِ الْمُلَاحَظَةُ

عموماً گوشۂ چشم سے دیکھتے۔ [۲]

◄◄ تھا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیروی ممکن نہ تھی اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عادات کا بیان شروع ہو رہا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیروی ممکن بلکہ مُستَحَب ہے۔

(۱) بعض روایات میں اکثر آسمان کی طرف دیکھنے کا ذکر ملتا ہے ان میں تطبیق یہ بیان کی گئی ہے کہ گفتگو کے دوران آسمان کی طرف اور خاموشی کے اوقات میں زمین کی طرف دیکھتے تھے اور یہ بھی کہ آسمان کی طرف دیکھنا اس وقت ہوتا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کسی معاملے میں وحی کا انتظار ہوتا تھا: قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۖ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ (البقرہ: ۱۴۴)

(۲) مراد یہ ہے کہ آپ دنیا کی چیزوں کو سرسری نظر سے دیکھا کرتے تھے اور یہ حکم خداوندی (لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ) (الحجر: ۸۸) کی پیروی میں تھا۔ دنیا پر سرسری نظر حب دنیا ◄◄

يَسُوقُ أَصْحَابَهٗ وَيَبْدَأُ مَنْ لَقِيَ بِالسَّلَامِ

اپنے ساتھیوں کو اپنے آگے چلایا کرتے تھے (۱) اور راستے میں جو ملتا اسے سلام کرنے میں پہل فرماتے تھے۔ (۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اندازِ گفتگو:

قَالَ قُلْتُ: صِفْ لِيْ مَنْطِقَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں سے کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو کی کیفیت مجھ سے بیان فرمائیے۔

قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مُتَوَاصِلَ الْأَحْزَانِ

تو انھوں نے یوں بتایا ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر غمگین رہتے تھے''۔ (۳)

◄◄ کے نہ ہونے کی علامت بلکہ دنیا کی محبت کو کم کرنے کا ذریعہ بھی ہے جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے القول الجمیل میں ''نظر بر قدم'' کے الفاظ سے اس طرز عمل کو ایک مرحلہ سلوک کے طور پر بیان کیا ہے۔

(۱) آگے چلانا ساتھیوں پر شفقت ونگرانی اور تواضع کا مظہر تھا۔ کسی بزرگ کے پیچھے چلنا جائز اور ان کا ادب ہے لیکن بزرگ کو اس کی خواہش نہیں بلکہ لوگوں کو روکنا چاہیے۔ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے چلتے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو احساس ہوتا تو بیٹھ جاتے اور لوگوں کو آگے کر کے روانہ ہوتے تاکہ دل میں تکبر نہ آئے (ابن ماجہ) اور فرماتے: (أُمْضُوا أَمَامِي، وَخَلُّوا ظَهْرِي لِلْمَلَائِكَةِ) ''میرے آگے چلا کرو اور میری پشت کو فرشتوں کے لیے خالی چھوڑ دیا کرو۔'' (سلسلہ احادیث الصحیحہ: ۱۵۵۷)

(۲) (اَلْبَادِئُ بِالسَّلَامِ بَرِيْءٌ مِنَ الْكِبْرِ) سلام میں ابتدا کرنے والا تکبر سے محفوظ رہتا ہے۔ (حدیث، شعب الایمان)

(۳) سوال گفتگو کے بارے میں تھا لیکن جواب آپ کی خاموشی سے شروع کیا گیا، یہ انداز محبت ہے کہ انسان محبوب کا زیادہ سے زیادہ ذکر کرنا چاہتا ہے۔ حُزن سے وہ رنج وملال مراد نہیں ہے جو دنیا میں کسی پسندیدہ چیز کے چھن جانے اور ناگوار چیز کے ملنے پر ہوتا ہے۔ اس سے تو روکا گیا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے بچنے کی دعا بھی مانگا کرتے تھے۔ حُزن سے مراد وہ فکر مندی ہے جو مستقبل کے بڑے بڑے اُمور کے اہتمام اور بالخصوص آخرت کے احوال اور خوفناکی کے خیال کی وجہ سے ہوتی ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کے غم کی وجہ سے غمگین رہا کرتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ غم آپ پر پے در پے آیا کرتے تھے۔ مثلاً بچپن میں یتیم ہو جانا، عین مشکل ◄◄

دَائِمَ الْفِكْرَةِ لَيْسَتْ لَهٗ رَاحَةٌ

ہروقت سوچ و بچار اور تفکّر میں مشغول رہتے ۔[۱] آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے فکری اور راحت میسر نہ تھی ۔[۲]

◀◀ دور میں جناب ابو طالب اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال، مشرکین کی طرف سے صاحبزادیوں کو قبلِ رخصتی طلاق دلوانا، بیٹوں کا انتقال اور اس پر دشمنوں کا شادیانے بجانا، زبانی اور بعض اوقات جسمانی تشدد وغیرہ۔ اپنے پیاروں کو آزمانا اللہ کی سنت ہے۔ دنیا میں دکھ درد آتے رہتے ہیں اور یہ ابتلاء حسبِ دین آتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا سب سے بڑی مشکلات کس کی ہوتی ہیں، فرمایا: (اَلْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ فَيُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلٰى حَسَبِ دِينِهٖ فَاِنْ كَانَ دِيْنُهٗ صُلْبًا اشْتَدَّ بَلَاؤُهٗ وَاِنْ كَانَ فِيْ دِيْنِهٖ رِقَّةٌ ابْتُلِيَ عَلٰى حَسَبِ دِيْنِهٖ فَمَا يَبْرَحُ الْبَلَاءُ بِالْعَبْدِ حَتّٰى يَتْرُكَهٗ يَمْشِيْ عَلَى الْاَرْضِ مَا عَلَيْهِ خَطِيْئَةٌ) سب سے بڑی مشکلات انبیاء کی ہوتی ہیں پھر ان کے کم رتبے والوں کی پھر ان سے کم رتبے والوں کی اور پھر ان سے بعد والوں کی اور اللہ تعالیٰ بندے کو اس کے دین کی مضبوطی کے حساب سے ہی آزماتا ہے اگر اس کا دین مضبوط ہو تو آزمائش سخت کرتا ہے اور اگر دینداری ہلکی ہو تو آزمائش بھی ہلکی کرتا ہے اور بندے پر مشکلات آتی رہتی ہیں یہاں تک کہ وہ زمین پر اس حال میں چلتا ہے کہ اس کے جسم پر کوئی گناہ باقی نہیں بچتا (سُنن الترمذی) نیک لوگوں پر بھی آزمائشیں درجات کی بلندی کے لیے ہوتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا سَبَقَتْ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ مَنْزِلَةٌ لَمْ يَبْلُغْهَا بِعَمَلِهٖ، ابْتَلَاهُ اللّٰهُ فِيْ جَسَدِهٖ، اَوْ فِيْ مَالِهٖ، اَوْ فِيْ وَلَدِهٖ، ثُمَّ صَبَّرَهٗ عَلٰى ذٰلِكَ حَتّٰى يُبَلِّغَهُ الْمَنْزِلَةَ الَّتِيْ سَبَقَتْ لَهٗ) جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے لیے کسی درجے کا فیصلہ فرما دیتا ہے اور اگر وہ بندہ اس مقام کا حامل نہ ہو تو اس کے جسم اس کی اولاد اور اس کے مال میں اسے آزما کر اسے صبر کی توفیق دیتا ہے یہاں تک (کہ اس صبر کی بدولت) وہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ (مُسند احمد، سنن ابی داوٗد) گناہگاروں کے لیے یہ آزمائش بخشش کا ذریعہ بنتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (اِذَا كَثُرَتْ ذُنُوْبُ الْعَبْدِ وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ مَا يُكَفِّرُهَا ابْتَلَاهُ اللّٰهُ بِالْحُزْنِ لِيُكَفِّرَهَا عَنْهُ) (رَوَاهُ اَحْمَدُ، وَالْبَزَّارُ، وَاِسْنَادُهٗ حَسَنٌ) ''جب بندے کے گناہ زیادہ ہو جائیں اور کفّارے کا کوئی راستہ نہ ہو تو اللہ اسے دکھوں سے آزماتا ہے تاکہ اس کے گناہ معاف کر دے۔'' ذہن میں رکھنا چاہیے کہ ہمیں آزمائش طلب کرنے سے روکا گیا ہے اور عافیت مانگتے رہنے کی تلقین کی گئی ہے البتہ اگر مانگے بغیر اللہ کی طرف سے آزمائش آجائے تو مندرجہ بالا اجر کی امید پر صبر کرنا چاہیے۔

(۱) تفکّر بندہ مومن کی اہم صفت ہے۔ تفکر کا پہلا میدان آفاقی وانفسی نشانیوں میں غور وفکر ہے تاکہ معرفت رب کا حصول ہو سکے۔ غور وفکر کا دوسرا میدان دعوتِ دین کے فروغ اور اقامتِ دین کی منصوبہ بندی پر مشتمل ہے۔ (۲) وجہ کارِ رسالت اور بندگی رب کی مصروفیت تھی۔ اور یہ ▶▶

طَوِيْلُ السَّكْتِ، لَا يَتَكَلَّمُ فِيْ غَيْرِ حَاجَةٍ

آپ ﷺ کی خاموشی لمبی ہوتی تھی، بلا ضرورت گفتگو نہ فرماتے تھے۔ (۱)

يَفْتَتِحُ الْكَلَامَ وَيَخْتِمُهٗ بِاَشْدَاقِهٖ

آپ ﷺ کی تمام گفتگو ابتدا سے انتہا تک پُورے مُنہ سے ہوتی تھی۔ (۲)

◄◄ مطلب بھی بیان کیا گیا کہ آپ ﷺ کی راحت دنیا میں نہیں بلکہ اُمورِ دینداری میں تھی جیسا کہ حدیث مبارکہ (قُمْ يَا بِلَالُ فَأَرِحْنَا بِالصَّلَاةِ) (ابو داؤد) اے بلال اٹھو اور ہمیں نماز (کی اذان یا اقامت سے) راحت پہنچاؤ اور (جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلَاةِ) (نسائی) میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔

(۱) خاموشی اور زیادہ باتیں کرنے سے بچنا، شخصیت کی دینی تعمیر یا تزکیۂ نفس میں بہت مُعاوِن ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: (عَلَيْكَ بِطُوْلِ الصَّمْتِ، فَإِنَّهُ مَطْرَدَةٌ لِلشَّيْطَانِ، وَعَوْنٌ لَكَ عَلَى أَمْرِ دِيْنِكَ) (شعب الایمان) لمبی خاموشی لازم پکڑو کیونکہ وہ شیطان کو دور کرنے والی اور دین کے کام میں مُعاوِن ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: (لَا تُكْثِرُوا الْكَلَامَ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللهِ فَإِنَّ كَثْرَةَ الْكَلَامِ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللهِ قَسْوَةٌ لِلْقَلْبِ وَإِنَّ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنَ اللهِ الْقَلْبُ الْقَاسِي) (سنن الترمذی) اللہ کے ذکر کے بغیر زیادہ کلام مت کرو کیونکہ ذکرُ اللہ کے بغیر کثرتِ کلام دل کی سختی کا باعث ہے اور سخت دلوں والے لوگ اللہ سے سب سے زیادہ دور ہوتے ہیں۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا: (مَنْ كَثُرَ كَلَامُهُ كَثُرَ سَقَطُهُ، وَمَنْ كَثُرَ سَقَطُهُ كَثُرَتْ ذُنُوبُهُ، وَمَنْ كَثُرَتْ ذُنُوبُهُ كَانَتِ النَّارُ أَوْلَى بِهِ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَسْكُتْ) (جامع العلوم والحکم بحوالہ المعجم الأوسط) جو زیادہ باتیں کرے گا وہ زیادہ پھسلے گا اور جو جتنا زیادہ پھسلے گا اس کے اتنے ہی زیادہ گناہ ہوں گے اور جس کے گناہ زیادہ ہوں گے تو آگ اس کی زیادہ حقدار ہے۔" عُقبۃ بن عامرؓ نے نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ نجات کس میں ہے تو آپ ﷺ کے جواب میں یہ بھی تھا کہ (أَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ) اپنی زبان کو روکے رکھو (سنن الترمذی)۔
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ)۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)۔ "جو اللہ اور یومِ آخر پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے نیکی کی بات کرے یا خاموش رہے۔"
آپ ﷺ نے فرمایا: (مَنْ صَمَتَ نَجَا) "جو خاموش رہا نجات پا گیا۔ (الترمذی)

(۲) مراد یہ ہے کہ ہونٹوں کی مکمل حرکت سے بات کرتے تھے۔ اس سے بات پوری سمجھ آتی ہے اور مغالطے کا خطرہ نہیں ہوتا۔ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بولنے سے بات صحیح سمجھ نہیں آتی اور اس ◄◄

وَيَتَكَلَّمُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جامع کلمات کے ساتھ (جن کے الفاظ تھوڑے ہوں اور معانی زیادہ) کلام فرمایا کرتے تھے۔ (۱)

كَلَامُهُ فَصْلٌ، لَا فُضُوْلَ وَلَا تَقْصِيْرَ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو واضح اور صاف ہوتی نہ اس میں کوئی زیادتی ہوتی تھی اور نہ کوئی کمی کہ مطلب پوری طرح واضح نہ ہو۔

لَيْسَ بِالْجَافِيْ وَلَا الْمُهِيْنِ (۲)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ تو ظلم و زیادتی کرنے والے تھے اور نہ ہی دوسروں کی تذلیل کرنے والے تھے۔

يُعَظِّمُ النِّعْمَةَ، وَإِنْ دَقَّتْ لَا يَذُمُّ مِنْهَا شَيْئًا

اللہ کی کوئی نعمت خواہ کتنی ہی تھوڑی ہو اس کو بہت بڑا سمجھتے تھے، اِس کو برا نہیں کہتے تھے۔ (۳)

◄◄ طرح بات کرنا اہلِ رعونت (متکبر) کا طریقہ ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ پورے مُنہ سے بات کرنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کے لیے بطور کنایہ استعمال ہوا ہے۔
(۱) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے جامع کلمات عطا کیے گئے (مسند احمد) سیدہ عائشہ فرماتی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہاری طرح مسلسل رفتار سے نہیں بولا کرتے تھے بلکہ اس طرح ٹھہر ٹھہر کر بات کرتے تھے کہ کوئی الفاظ گننا چاہے تو گن سکتا تھا (بخاری) نیز یہ بھی بیان ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بات کرتے تو تین دفعہ دہرایا کرتے تھے۔ شارحین نے لکھا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی دقیق مسئلہ سمجھا رہے ہوتے تو مخاطب کا لحاظ کر کے بات کو متعدد بار سمجھاتے یا تعداد زیادہ ہوتی تو مختلف اطراف میں منہ کر کے بات کو دہرایا کرتے تھے۔ (اِذا تَكَلَّمَ رُئِيَ كَالنُّوْرِ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ ثَنَايَاهُ) (عن ابن عباس رضی اللہ عنہما، ترمذی) ''جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بات کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے والے دانتوں سے گویا نور نکلتا ہوا نظر آتا۔'' (۲) ذمہ داران اور مدرسین و مربیین کو دوسروں کے جذبات کا خیال کرنا چاہیے اور ساتھیوں کی تذلیل سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اس لفظ کو (اَلْمَهِيْن) بھی پڑھا گیا ہے جو کردار کے ہلکے پن اور شخصیت کی کمزوری کے لیے آتا ہے۔ (۳) اس سے نعمت خداوندی بھی مراد ہو سکتی ◄◄

غَيْرَ اَنَّهٗ لَمْ يَكُنْ يَذُمُّ ذَوَّاقًا وَلَا يَمْدَحُهٗ

البتہ کھانے کی اشیاء کی نہ تو برائی کرتے نہ ہی تعریف فرماتے تھے۔(۱)

وَلَا تُغْضِبُهُ الدُّنْيَا، وَلَا مَا كَانَ لَهَا

دنیا اور دنیوی اشیاء آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناراض نہ کر سکتی تھیں۔

فَاِذَا تُعُدِّيَ الْحَقُّ لَمْ يَقُمْ لِغَضَبِهٖ شَيْءٌ حَتّٰى يَنْتَصِرَ لَهٗ

البتہ جب حق سے تجاوز کیا جاتا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غصہ کے آگے کوئی ٹھہر نہ سکتا تھا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس حق کا انتقام (حق کے مطابق) نہ لے لیں۔(۲)

وَلَا يَغْضَبُ لِنَفْسِهٖ وَلَا يَنْتَصِرُ لَهَا

اپنی ذات کے لیے نہ کسی پر ناراض ہوتے تھے نہ اس کا انتقام لیتے تھے۔(۳)

اِذَا اَشَارَ اَشَارَ بِكَفِّهٖ كُلِّهَا

جب کسی کی طرف اشارہ فرماتے تو پورے ہاتھ سے اشارہ فرماتے۔

وَاِذَا تَعَجَّبَ قَلَبَهَا

◀◀ ہے اور لوگوں کی طرف سے ملنے والا تحفہ وغیرہ بھی، تعظیم نعمت شکر گزاری کا رویہ ہے جو خالق ومخلوق دونوں کے ساتھ مطلوب ہے۔

(۱) کھانے کی تعریف سے چٹور پن (کھانے کا شوق) ظاہر ہوتا ہے۔ البتہ اظہارِ نعمت کے طور پر یا میزبان کا دل رکھنے کے لیے اس کے پکانے کی تعریف کی جاسکتی ہے۔

(۲) حق سے مراد اُمورِ دین اور حدود شریعت ہیں۔

(۳) جدید مادی فکر یہ ہے کہ ذاتیات پر خوب لڑو اور اسے حقوق کے تحفظ کا نام دیا جاتا ہے البتہ دین کی خلاف ورزی پر صبر و برداشت اور رواداری کا درس دیا جاتا ہے اور ردِّ عمل کو انتہا پسندی کا نام دیا جاتا ہے جبکہ مزاجِ نبوی اور اسلامی تعلیم یہ ہے کہ ذاتیات میں معاف کرو اور دینِ حق کی حمایت میں سختی اور ردِ عمل ظاہر کرو۔ البتہ اس ردِ عمل میں بھی شریعت وسنت کا خیال رہنا چاہیے اور ظلم ہر گز نہ کرنا چاہیے۔

جب کسی بات پر تعجب فرماتے تو ہاتھ کو پلٹ لیتے تھے۔ (۱)

وَاِذَا تَحَدَّثَ اتَّصَلَ بِهَا

اور جب بات کرتے اسے ہاتھ کے ساتھ ملاتے (یعنی بات کے ساتھ ہاتھ بھی چلاتے)۔

وَضَرَبَ بِرَاحَتِهِ الْيُمْنٰى بَطْنَ اِبْهَامِهِ الْيُسْرٰى

اور کھلی داہنی ہتھیلی کو بائیں انگوٹھے کے اندرونی حصہ پر مارتے۔ (۲)

وَاِذَا غَضِبَ اَعْرَضَ وَاَشَاحَ

جب کسی پر ناراض ہوتے تو اس سے اِعراض فرماتے اور اپنا رخِ انور پھیر لیا کرتے۔ (۳)

وَاِذَا فَرِحَ غَضَّ طَرْفَهٗ

جب خوش ہوتے تو آنکھیں جھکا لیتے تھے (۴)

جُلُّ ضَحِكِهِ التَّبَسُّمُ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اکثر ہنسی تبسّم کی حد تک ہوتی تھی۔ (۵)

(۱) ہتھیلی آسمان کی طرف کرنا مراد ہے۔اس میں تعجب اور رضائے رب کی طرف اشارہ ہے۔
(۲) الشفا میں ہے: (ضَرَبَ بِاِبْهَامِهِ الْيُمْنٰى رَاحَتَهُ الْيُسْرٰى) ''آپ اپنے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کو بائیں ہتھیلی پر مارتے تھے''۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل دونوں طرح سے تھا۔
(۳) تنبیہ کا یہ بہت لطیف انداز ہے کہ زبان سے ڈانٹنے کے بجائے تاثرات کے ذریعے اظہارِ ناپسندیدگی کر دیا جائے۔ مُربّی حضرات کے لیے اس میں خاص رہنمائی ہے۔ (۴) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آنکھیں جھکانا تواضُع کے اظہار کی وجہ سے تھا۔ (۵) آپ زیادہ ہنسنے کو ناپسند کرتے اور فرماتے زیادہ ہنسنے سے بچو کہ یہ دل کو مردہ کر دیتا ہے (ترمذی) اسی لیے آپ کی ہنسی بہت کم تھی البتہ مسکرایا کرتے تھے۔ (احمد) اور مسکراہٹ اس قدر زیادہ تھی کہ عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ مُسکرانے والا کوئی نہیں دیکھا۔ (ترمذی) ابن جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں جب سے مسلمان ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ملاقات سے نہیں روکا اور جب بھی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے دیکھ کر مسکرائے ضرور۔ (بخاری) سیدہ اُمِّ درداء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ابُو درداء رضی اللہ عنہ جب ◂◂

يَفْتَرُّ عَنْ مِّثْلِ حَبِّ الْغَمَامِ

اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اولے کی طرح چمکدار سفید دندانِ مبارک دکھائی دیتے تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تقسیم اوقات:

قَالَ الْحَسَنُ: فَكَتَّمْتُهَا الْحُسَيْنَ زَمَانًا

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ خبر (یعنی مندرجہ بالا روایت) ایک عرصہ حضرت حسینؓ سے چھپائے رکھی۔

ثُمَّ حَدَّثْتُهُ فَوَجَدْتُهُ قَدْ سَبَقَنِيْ إِلَيْهِ

پھر ایک دن میں نے یہ حدیث اُنہیں سنائی تو مجھے اندازہ ہوا کہ وہ یہ سب کچھ پہلے ہی جانتے ہیں۔

فَسَأَلَهُ عَمَّ سَأَلْتُهُ عَنْهُ

اور انہوں نے ان سے وہ کچھ پوچھ رکھا ہے جو میں نے پوچھ رکھا تھا۔

وَوَجَدْتُّهُ قَدْ سَأَلَ أَبَاهُ عَنْ مَدْخَلِهِ وَمَخْرَجِهِ وَشَكْلِهِ

نیز مجھے پتا چلا کہ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں رہنے، باہر تشریف لے جانے اور شکل وصورت کے بارے میں مزید بھی بہت کچھ والد محترم (حضرت علیؓ) سے پوچھ رکھا ہے۔

فَلَمْ يَدَعْ مِنْهُ شَيْئًا قَالَ الْحُسَيْنُ:

تو میں نے ارادہ کیا کہ ان سے یہ سب پوچھ کر رہوں گا۔ پس پھر میرے پوچھنے پر حضرت حسینؓ یوں گویا ہوئے:

◂◂ بھی حدیث بیان کرتے مسکرا کر بیان کرتے میں نے عرض کیا مبادا لوگ آپ کو احمق سمجھنا شروع کر دیں فرمانے لگے: (مَا رَأَيْتُ، أَوْ مَا سَمِعْتُ، رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم يُحَدِّثُ حَدِيثًا إِلَّا تَبَسَّمَ) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں دیکھا یا نہیں سنا مگر جب بھی کوئی حدیث (دینی بات) بیان کرتے تو مسکرا کر بیان کرتے۔ (مُسند احمد) مدرسین اور مُربّی حضرات کے لیے یہ ایک لائقِ اقتداء امر ہے۔

سَأَلْتُ أَبِيْ عَنْ دُخُوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ :

میں نے اپنے والد سے نبی اکرم ﷺ کے اپنے گھر تشریف رکھنے کے حالات دریافت کیے تو انھوں نے فرمایا کہ

كَانَ إِذَا أَوٰى إِلٰى مَنْزِلِهٖ جَزَّأَ دُخُوْلَهٗ ثَلَاثَةَ أَجْزَاءٍ

حُضُور اقدس ﷺ اپنے گھر میں تشریف رکھنے کے وقت کو تین حصوں میں تقسیم فرماتے تھے۔

جُزْأً لِلّٰهِ، وَجُزْأً لِأَهْلِهٖ، وَجُزْأً لِنَفْسِهٖ

ایک حصہ حق تعالیٰ شانہٗ کے لیے مختص کرتے، ایک حصہ گھر والوں کے لیے اور ایک حصہ خود اپنے لیے مختص فرماتے۔ (۱)

ثُمَّ جَزَّأَ جُزْأَهٗ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ النَّاسِ

پھر اس اپنے والے حصے کو بھی اپنے اور لوگوں کے درمیان تقسیم فرما دیتے۔ (۲)

فَيَرُدُّ ذٰلِكَ بِالْخَاصَّةِ عَلَى الْعَامَّةِ

(۱) اللہ کے وقت میں عبادت اور ذکر و مناجات میں مشغول رہتے، گھر والوں کے وقت میں ان کی ضروریات اور دل لگی کا سامان کرتے اور گھر کا کام بھی کر دیتے یہاں تک کہ آٹا بھی گوندھ دیتے اور کبھی بکری کا دودھ بھی نکال دیتے، سیّدہ عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ آپ ﷺ گھر میں کیا کرتے تھے فرماتی ہیں: (كَانَ يَكُوْنُ فِيْ مِهْنَةِ أَهْلِهٖ - تَعْنِيْ خِدْمَةَ أَهْلِهٖ - فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ) آپ ﷺ گھر والوں کے کام کاج کیا کرتے البتہ جب نماز کا وقت ہو جاتا تو باہر تشریف لے جاتے تھے (صحیح بخاری) اپنے وقت میں ذاتی کام یعنی غسل و صفائی یا جوتے کی مرمت وغیرہ جیسے کام کرتے اور اس میں کچھ عار محسوس نہیں کرتے تھے۔ اس تقسیم سہ گانہ اور بیان کردہ امور پر اہل دین کو خاص توجہ کی ضرورت ہے۔

(۲) یعنی اگر دوسروں کو وقت زیادہ دینا پڑ گیا تو نہ تو اللہ کے حصے سے کمی کرتے تھے اور نہ ہی گھر والوں کے حصے سے کمی کرتے تھے بلکہ اپنے ذاتی وقت میں سے وقت بچا کر دوسروں کے کام آتے تھے۔

خواص کے ذریعے اس وقت کو عوام پر خرچ کرتے۔[1]

وَلَا يَدَّخِرُ عَنْهُمْ شَيْئًا

اور اُن سے کچھ بھی چھپا کر نہ رکھتے۔

وَكَانَ مِنْ سِيْرَتِهٖ فِيْ جُزْءِ الْاُمَّةِ

امت کے لیے وقف کئے ہوئے اِس وقت میں آپ ﷺ کا طریقہ شریف یہ تھا کہ

اِيْثَارُ اَهْلِ الْفَضْلِ بِاِذْنِهٖ وَقَسْمِهٖ عَلٰى قَدْرِ فَضْلِهِمْ فِي الدِّيْنِ

اہلِ فضل کو اذنِ باریابی اور وقت میں سے حصہ دینے میں ان کے فضلِ دینی کے لحاظ سے ترجیح دیتے تھے۔

فَمِنْهُمْ ذُو الْحَاجَةِ

بعض آنے والے ایک حاجت لے کر آتے۔

وَمِنْهُمْ ذُو الْحَاجَتَيْنِ

بعض حضرات دو دو حاجتیں لے کر حاضرِ خدمت ہوتے۔

وَمِنْهُمْ ذُو الْحَوَائِجِ

اور بعض حضرات کئی کئی حاجتیں لے کر حاضر ہوتے۔

فَيَتَشَاغَلُ بِهِمْ

(۱) یعنی اکابر صحابہ کرامؓ مجلس میں حاضر ہوتے اور وہ دین سیکھ کر دوسروں کو سکھاتے۔ یہ نبی اکرم ﷺ کا اُسلوبِ فرد سازی تھا۔ مربّی حضرات کو چاہیے کہ لائق حضرات پر خصوصی توجہ کر کے ان کی تربیت کریں اور پھر ان کے ذریعے دوسروں کی تربیت کریں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خواص (ماہرینِ وشارحینِ شریعت) اور عوام کی ایک تقسیم خود، دورِ نبوت اور، دورِ صحابہؓ میں موجود تھی۔

حضور اکرم ﷺ ان کے ساتھ مشغول ہو جاتے۔ [(۱)]

وَيَشْغَلُهُمْ فِيمَا يُصْلِحُهُمْ وَالْأُمَّةَ

اور انھیں ایسے اُمور میں مشغول فرمادیتے جو خود ان کی اور تمام امّت کی اصلاح کے لیے مفید اور کارآمد ہوں۔

مِنْ مَسْأَلَتِهِمْ عَنْهُ وَإِخْبَارِهِمْ بِالَّذِي يَنْبَغِي لَهُمْ

مثلاً ان کا حضور اکرم ﷺ سے سوالات کرنا اور حضور ﷺ کا اپنی طرف سے ایسے اُمور کی خبر دینا جو ان کے مناسب حال ہوتے۔ [(۲)]

وَيَقُولُ: لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ الْغَائِبَ

آپ ﷺ یہ بھی فرمادیا کرتے تھے کہ جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ یہ باتیں ان لوگوں تک پہنچادیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ [(۳)]

وَأَبْلِغُونِي حَاجَةَ مَنْ لَا يَسْتَطِيعُ إِبْلَاغَهَا

یہ بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جو لوگ (کسی وجہ سے) اپنی حاجات مجھ

(۱) لوگوں کے مسائل کے حل کی فکر نبی اکرم ﷺ کا طریقہ ہے۔ ہر مسلمان خُصوصاً ذمہ داران کو یہ بات پلّے باندھنی چاہیے اور عام مسلمانوں اور ماتحتوں کی مسائل سے واقفیت اور حل کو شیوہ بنانا چاہیے۔ (۲) انہی مسائل وواقعات کے نتیجے میں سنت اور شریعت کے ڈھانچے کی تکمیل ہوئی ہے۔ ان الفاظ اور دیگر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال کے جواب میں سائل کی مُصلحت کا خیال رکھا جائے۔ مُجیب جواب دینے میں سائل کا پابند نہیں ہے وہ پوچھی گئی بات سے کم بھی بتا سکتا ہے اور زیادہ بھی اور اِعراض بھی کرسکتا ہے۔ ان تینوں صورتوں کا انحصار، سائل کے احوال وظروف، سوال کی نوعیت واہمیت پر ہے۔ (۳) یہ آپ ﷺ کا طریقہ تربیت تھا کہ جس کو علم کی بات سکھاتے اسے آگے سکھانے کی تلقین فرماتے۔ اس طرح خود اسے بھی یاد رہتا، عمل کا جذبہ بیدار رہتا اور دعوت بھی فروغ پاتی، خطبہ حجۃ الوداع میں بھی آپ ﷺ نے اس کی تلقین کی تھی۔ اسی طرح ایک دفعہ آپ ﷺ نے دجّال کے حالات بیان کیے اور فرمایا جو میری مجلس میں موجود ہے اور میری باتیں سنتا ہے اسے چاہیے کہ غیر موجود لوگوں کو بتائے (المُعجمُ الکبیر) اسی طرح ایک بار آپ ﷺ نے نماز کے بارے میں کچھ بتایا اور پھر فرمایا جو موجود ہیں وہ غائبین تک پہنچادیں۔ (ایضاً)

تک نہیں پہنچا سکتے ،تم لوگ ان کی ضرورتیں مجھ تک پہنچا دیا کرو۔

فَاِنَّهٗ مَنْ اَبْلَغَ سُلْطَانًا حَاجَةَ مَنْ لَّا يَسْتَطِيْعُ اِبْلَاغَهَا

پس جو شخص امیر (سلطان) تک ان لوگوں کی حاجات پہنچائے گا جو خود نہیں پہنچا سکتے۔

ثَبَّتَ اللّٰهُ قَدَمَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کو ثابت قدم رکھیں گے۔ (۱)

لَا يُذْكَرُ عِنْدَهٗ اِلَّا ذَالِكَ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجلس میں صرف ایسی ہی ضروری اور مفید باتوں کا تذکرہ ہوتا تھا

وَلَا يُقْبَلُ مِنْ اَحَدٍ غَيْرَهٗ

اور اس کے علاوہ کسی دوسرے سے اس کے علاوہ کوئی بات پسند نہ فرماتے۔

يَدْخُلُوْنَ رُوَّادًا

صحابہؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں دینی امور کے طالب اور متلاشی بن کر حاضر ہوتے تھے۔

وَلَا يَفْتَرِقُوْنَ اِلَّا عَنْ ذَوَاقٍ

اور یہاں سے الگ نہ ہوتے مگر (علم وحکمت سے) خوب سیر ہو کر

وَيَخْرُجُوْنَ اَدِلَّةً يَعْنِيْ عَلَى الْخَيْرِ

پھر یہاں سے ہدایت اور خیر کے رہنما بن کر نکلتے تھے۔ (۲)

(۱) یہ آپ کا اندازِ تربیت ہے کہ کوئی حکم بیان کرنے کے بعد اس کی فضیلت بھی بیان فرما دیتے تھے تا کہ لوگ اس کام میں دلچسپی محسوس کریں۔ معلمین و مُربی حضرات کو ترغیب وتشویق کا یہ اسلوب پیش نظر رکھنا چاہیے۔ (۲) اس سے علمی مجالس میں حاضری کا پورا منشور سامنے آتا ہے کہ سیکھنے کی نیت اور ذوق وشوق سے آیا جائے اور مجلس میں توجہ سے بیٹھ کر سیکھا جائے اور پھر خود عمل کرنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی وہ علم سکھایا جائے بشرطیکہ خود بھی اچھی طرح سمجھ لیا ہو اور آگے سمجھانے کی اہلیت بھی ہو۔

نبی اکرم ﷺ کا لوگوں سے میل جول:

قَالَ: فَسَأَلْتُهُ عَنْ مَخْرَجِهٖ كَيْفَ يَصْنَعُ فِيهِ، قَالَ

حضرت حُسین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد صاحب سے آپ ﷺ کے باہر تشریف لے جانے کے متعلق دریافت کیا تو اُنہوں نے جواب دیا:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَخْزُنُ لِسَانَهٗ إِلَّا فِيمَا يَعْنِيهِ

نبی اکرم ﷺ ضروری اُمور کے علاوہ اپنی زبان کو خاموش رکھتے تھے۔

وَيُؤَلِّفُهُمْ وَلَا يُنَفِّرُهُمْ

اپنے ساتھیوں کی تالیف یعنی انھیں مانوس فرماتے اور انھیں متنفر نہیں کرتے تھے۔[1]

(۱) یہ لفظ دو طرح روایت کیا گیا ہے (وَلَا يُنَفِّرُهُمْ) ''انہیں متنفر نہیں کرتے تھے'' اور (وَلَا يُفَرِّقُهُمْ) ''ان میں تفریق نہیں پیدا کرتے تھے''۔ اس لفظی اختلاف کی بنا پر اس جملے کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں ایک تو یہ کہ آپ ﷺ اپنے ساتھیوں کے ساتھ الفت کا معاملہ کرتے اور کوئی ایسی بات یا کام نہ کرتے جس سے صحابہؓ آپ ﷺ سے یا دین سے متنفر ہوتے۔ صحابہ کرام کو بھی آپ ﷺ یہی طرز سکھایا کرتے تھے جب آپ ﷺ صحابی کو کسی مہم پر بھیجتے تو تاکید فرماتے: (بَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا وَيَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا) لوگوں کو بشارتیں دو اور انہیں متنفر نہ کرو اور آسانیاں کرو اور مشکلات پیدا مت کرو (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)۔ دوسرا مفہوم یہ کہ آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کو آپس میں جوڑتے اور باہمی محبت سکھاتے، باہمی بغض وعناد کو ختم کرایا کرتے اور کوئی ایسی بات یا کام نہ برداشت کرتے جس سے صحابہؓ کے درمیان تفریق اور جدائی پیدا ہوتی۔ نبی ﷺ کی سیرت میں یہ دونوں چیزیں نظر آتی ہیں۔ لہٰذا یہ دونوں مفہوم صحیح ہیں۔ پس داعیان، معلمین و مربیین کو چاہیے کہ لوگوں کو متنفر نہ کریں بلکہ اپنی ذات اور دین کے ساتھ لوگوں کو مانوس رکھیں تاکہ دعوت و تربیت میں سہولت ہو۔ خاندان کے بڑوں اور مسلمانوں کے دیگر ذمہ داران کو اصلاح ذات بین الناس کا خاص اہتمام کرنا چاہیے کہ آپ ﷺ نے اسے نفل عبادت سے افضل بتایا اور باہمی فساد کو مونڈھ دینے والا عمل قرار دیا (ابوداود)

وَيُكْرِمُ كَرِيمَ كُلِّ قَوْمٍ

ہر قوم کے معزز فرد کا اکرام واعزاز فرماتے (۱)

وَيُوَلِّيهِ عَلَيْهِمْ

اور (قبول اسلام کی صورت میں) اسی کو ان پر والی اور سردار مقرر فرما دیتے۔

وَيُحَذِّرُ النَّاسَ وَيَحْتَرِسُ مِنْهُمْ

آپ ﷺ لوگوں کو محتاط رہنے کی تلقین کرتے اور خود بھی لوگوں کے تکلیف یا نقصان پہنچانے سے اپنی حفاظت فرماتے۔

مِنْ غَيْرِ أَنْ يَطْوِيَ عَنْ أَحَدٍ مِّنْهُمْ بِشْرَهُ وَخُلُقَهُ

البتہ اس احتیاط کے باوجود کسی کو اپنی خندہ پیشانی سے ملاقات اور حسن اخلاق سے محروم نہیں کرتے تھے۔ (۲)

وَيَتَفَقَّدُ أَصْحَابَهُ

اپنے ساتھیوں کی تلاش کرتے (۳)

(۱) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب تمہارے پاس کسی قوم کا معزز فرد آئے تو تم بھی اس کا اکرام کرو (ابن ماجہ) فروغ دعوت اور تعلق وتعاون باہمی کے لیے یہ ضروری امر ہے۔ اگر ہم اختلاف کرنے والوں کے اکابرین کی توہین کریں گے اور ان کا احترام نہ رکھیں گے تو انھیں بھی ہمارے ساتھ یہ رویہ رکھنے کا جواز مل جائے گا۔ (۲) عام انسانوں کا معاملہ یہ ہے کہ اگر کسی پر اعتماد کرنے میں آئیں تو اندھا اعتماد کرتے ہیں کہ اگر کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو پہنچا سکے اور احتیاط پر آئیں تو شک وبدگمانی اور خراب رویے تک جا پہنچتے ہیں لیکن نبی اکرم ﷺ کا معاملہ بالکل اعتدال پر تھا۔ (۳) یعنی کسی کو غیر حاضر پاتے تو اس کے بارے میں دریافت کرتے۔ مریض کی عیادت کرتے، مسافر کے لیے خیریت سے لوٹنے کی دعا کرتے اور فوت شدگان کے لیے دعائے مغفرت کرتے۔ عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم جب کسی ساتھی کو غیر حاضر پاتے تو اس کی ملاقات کو چلے جایا کرتے تھے۔ اگر وہ بیمار ہوتا تو تیمارداری میں لگ جاتے اور کسی کام میں مصروف ہوتا تو اس کا ہاتھ بٹاتے۔ ورنہ ایسے ہی ملاقات کر کے آجایا کرتے۔ ذمہ داران اور رفقاء سبھی کو اس سنت کا اہتمام کرنا چاہیے۔

وَیَسْأَلُ النَّاسَ عَمَّا فِی النَّاسِ

اور لوگوں سے لوگوں کے درمیان واقع ہونے والی (اچھی یا بری) باتوں کے بارے میں سوال کرتے۔

وَیُحَسِّنُ الْحَسَنَ وَیُقَوِّیْہِ

اچھائی کی تحسین فرما کر اس کو تقویت پہنچاتے

وَیُقَبِّحُ الْقَبِیْحَ وَیُوَهِّیْہِ

اور بری بات کی مذمت فرما کر اس کو زائل فرماتے۔ (۱)

مُعْتَدِلَ الْاَمْرِ غَیْرَ مُخْتَلِفٍ

آپ ﷺ بلا اِفراط وتفریط ہر امر میں اِعتدال اور میانہ روی اختیار فرمانے والے تھے۔

لَا یَغْفُلُ مَخَافَةَ اَنْ یَغْفُلُوْا اَوْ یَمِیْلُوْا

ساتھیوں کی طرف سے بے خبر نہ رہتے تھے کہ مُبادا وہ دین سے غافل ہو جائیں یا سستی اور آرام طلبی کی طرف مائل ہو جائیں۔ (۲)

لِکُلِّ حَالٍ عِنْدَہٗ عَتَادٌ

ہر کام کے لیے آپ ﷺ کے یہاں ایک خاص انتظام تھا۔

لَا یُقَصِّرُ عَنِ الْحَقِّ وَلَا یُجَاوِزُہٗ

حق (کی اِقامت) میں نہ کبھی کوتاہی فرماتے تھے، نہ حد سے تجاوُز فرماتے

(۱) اصلاح کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ معیّن فرد کی مذمّت کے بجائے اس برائی کی مذمّت کی جائے اس طرح قبولِ اصلاح کا زیادہ امکان ہوتا ہے۔ اسی طرح نیکی کی تحسین وحوصلہ افزائی بھی اس کے فروغ کا باعث بنتی ہے۔ (۲) یعنی ساتھیوں کے احوال و دینی پیش رفت سے باخبر اور اس کے مطابق، تذکیر وتعلیم، نصیحت و رہنمائی اور تربیت و اصلاح کے لیے مستعد رہتے تھے۔ معلمین و مربّی حضرات کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ شاگرد اور مُتَربی پر اگر مناسب توجہ ونگرانی نہ رکھی جائے تو ان میں سستی اور اضمحلال آنے کا اندیشہ موجود رہتا ہے۔

تھے۔ [۱]

اَلَّذِیۡنَ یَلُوۡنَہٗ مِنَ النَّاسِ خِیَارُھُمۡ

آپ ﷺ کے نزدیک رہنے والے حضرات لوگوں میں سے بہترین افراد تھے۔ [۲]

اَفۡضَلُھُمۡ عِنۡدَہٗ اَعَمُّھُمۡ نَصِیۡحَۃً

آپ ﷺ کے نزدیک افضل وہی ہوتا تھا جو ہر شخص کی خیرخواہی چاہنے والا ہو۔ [۳]

(۱) سستی نہ کرنے سے اقامتِ حق میں سزا و سرزنش کا اہتمام کرنا مراد ہے لیکن اس کے ساتھ جو خاص بات ہے وہ یہ کہ تجاوز نہ فرماتے تھے یعنی ایسا نہ ہونا چاہیے کہ مجرم کو اس کے جرم سے زیادہ سزا دی جائے بلکہ شریعت کے مطابق جس حد تک وہ رعایت کا مستحق ہے وہ بھی دینی چاہیے۔ (۲) مراد یہ ہے کہ صحابہؓ میں سے جو زیادہ سمجھدار اور ذہین لوگ تھے آپ ان کو اپنے زیادہ نزدیک رکھا کرتے تھے تاکہ وہ آپ ﷺ سے دین اچھی طرح سیکھ کر اور احادیث اچھی طرح یاد کر کے آگے پہنچا سکیں۔ مسلم شریف کی ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا ''تم میں سے سمجھدار اور عقل مند لوگ میرے نزدیک رہا کریں، پھر ان کے بعد والے اور پھر ان کے بعد والے'' اس حدیث سے حفظِ مراتب کی تعلیم بھی ملتی ہے۔ امام نَوَوِیؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: اس حدیث سے افضل لوگوں کو نزدیک رکھنے کی تعلیم ملتی ہے کہ امام نماز میں اگلی صف میں ایسے سمجھدار لوگوں کو رکھے جو اس کی غلطی پر بہتر انداز میں تنبیہ کر سکیں اسی طرح مجالس علم و مشاورت و سماع حدیث وغیرہ میں ایسے لوگوں کو مراتب کے مطابق نزدیک رکھنا چاہیے تاکہ وہ بہتر مشورہ دے سکیں اور علم سیکھ کر آگے سکھا سکیں (المنہاج)۔ پس ذمہ داران کو چاہیے کہ اپنے زیرِ تربیت لوگوں میں سے باصلاحیت افراد کی تربیت پر خصوصی توجہ دیں۔ ان کی صلاحیت اور افتادِ طبع کے مطابق انہیں مختلف علمی میدانوں میں آگے بڑھاتے رہیں۔ حدیث مبارکہ (یَقۡبِضُ الۡعِلۡمَ بِقَبۡضِ الۡعُلَمَاءِ) (صحیح بخاری) ''اللہ علم کو اٹھائے گا اہل علم کو اٹھا کر'' کے مصداق بڑے لوگوں کا سایہ اٹھتا جا رہا ہے اور ایک قحطُ الرجال کی سی کیفیت پیدا ہو رہی ہے۔ اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ زیرِ تربیت افراد کو علمی و اخلاقی ترقی کی راہ پر ڈالا جائے تاکہ اسلامی تحریک اور معاشرے میں علمی، فکری اور انتظامی قیادت کا خلا پیدا نہ ہو (۳) آپ ﷺ نے تین دفعہ فرمایا بے شک دین تو خیرخواہی کا نام ہے پوچھا گیا کس کی خیرخواہی تو فرمایا اللہ کی، اس کے رسول کی، اس کی کتاب کی، مسلمانوں کے حکمرانوں کی اور عام مسلمانوں کی خیرخواہی۔ (ابوداؤد)

((وَاَعْظَمُهُمْ عِنْدَهٗ مَنْزِلَةً اَحْسَنُهُمْ مُؤَاسَاةً وَّ مُؤَازَرَةً))

آپ ﷺ کے نزدیک بڑے رتبے والا وہی ہوتا جو مخلوق کی عمدہ غمگساری اور امداد کرنے والا ہو۔ (۱)

نبی اکرم ﷺ کی مجلس کی کیفیت:

قَالَ: فَسَاَلْتُهٗ عَنْ مَّجْلِسِهٖ، فَقَالَ:

حضرت حسینؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی مجلس کے حالات دریافت کئے تو والد محترم نے فرمایا کہ

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَقُوْمُ وَلَا يَجْلِسُ اِلَّا عَلٰى ذِكْرٍ (وَفِيْ نُسْخَةٍ ذِكْرِ اللّٰهِ)

آپ ﷺ کسی مجلس میں نہ بیٹھتے تھے اور نہ کھڑے ہوتے مگر اللہ کے ذکر کے ساتھ۔ (۲)

وَاِذَا انْتَهٰى اِلٰى قَوْمٍ جَلَسَ حَيْثُ يَنْتَهِيْ بِهِ الْمَجْلِسُ وَيَاْمُرُ بِذٰلِكَ

جب کسی جگہ آپ ﷺ تشریف لے جاتے تو جہاں جگہ ملتی وہیں تشریف رکھتے اور لوگوں کو بھی حکم فرماتے کہ جہاں خالی جگہ مل جائے وہاں بیٹھ جایا کرو۔

(۱) ملا علی قاری نے مواساۃ سے دنیاوی امور میں ضرورت مندوں کی مدد اور معاونت سے مہماتِ دین اور نیکی وتقوی کے کاموں میں تعاون مراد لیا ہے (جمع الوسائل)

(۲) اس مقام پر ذکر سے مراد، ابتدائے کلام ومجلس اور اختتام میں اللہ کی حمد وثنا، معمولات زندگی کی دعائیں اور عمومی ذکر واذکار ہیں۔ ان اذکار کا ترجمہ یاد کر کے انہیں شعور کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ذکر کا افضل رتبہ تو یہ ہے شعور اور حضوریٔ قلب کے ساتھ ذکر کیا جائے اور اگر یہ نصیب ہو جائے تو یہ تو روشنی پر روشنی ہے لیکن اگر یہ میسر نہ ہو تو محض زبان سے اللہ کا ذکر کرنا بھی ایک درجے کی نیکی بہر حال ہے لیکن اس پر مداومت مزید عطا (یعنی حضوری قلب) کا ذریعہ بھی بنتا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح)

يُعْطِي كُلَّ جُلَسَائِهٖ بِنَصِيْبِهٖ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر شریکِ مجلس کو اُس کا حصہ (یعنی پوری توجہ) عنایت فرماتے۔

لَا يَحْسَبُ جَلِيْسُهٗ اَنَّ اَحَدًا اَكْرَمُ عَلَيْهِ مِنْهُ

مجلس میں کوئی یہ نہ خیال کرتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی دوسرے کا مجھ سے زیادہ خیال کررہے ہیں۔ (۱)

مَنْ جَالَسَهٗ اَوْ فَاوَضَهٗ فِيْ حَاجَةٍ صَابَرَهٗ

جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھتا یا کسی امر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رجوع کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کمالِ صبر کے ساتھ اس کے پاس بیٹھے رہتے اور متوجہ رہتے

حَتّٰى يَكُوْنَ هُوَ الْمُنْصَرِفُ عَنْهُ

یہاں تک کہ وہ خود ہی نہ لوٹ جاتا۔ (۲)

وَمَنْ سَاَلَهٗ حَاجَةً لَمْ يَرُدَّهٗ اِلَّا بِهَا اَوْ بِمَيْسُوْرٍ مِنَ الْقَوْلِ

جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی حاجت کے سلسلے میں سوال کرتا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے نہ پھیرتے تھے مگر اس کی حاجت روائی یا نرمی کی بات کے ساتھ (۳)

قَدْ وَسِعَ النَّاسَ بَسْطُهٗ وَخُلُقُهٗ

(۱) صدرِ مجلس یا مدرس کے لیے یہ ایک اہم خوبی ہے کہ وہ ہر شریکِ محفل کو بھرپور توجہ دے۔

(۲) یہاں تک کہ ہاتھ ملانے والے سے پہلے ہاتھ تک نہ چھڑاتے جب تک وہ اپنا ہاتھ نہ کھینچ لیتا۔

(۳) یعنی کبھی تو آئندہ عطا کرنے کا وعدہ فرما لیتے، کبھی کسی دوسرے کے سامنے اس کی سفارش فرما دیتے اور کبھی دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کو اختیار کرنے کی تلقین فرما دیتے اور کبھی محنت وکسبِ حلال کی نصیحت فرما دیتے لیکن یہ سب کچھ نرمی کے ساتھ ہوتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بخشش وعطا، خندہ پیشانی اور خوش خلقی تمام لوگوں کے لیے عام تھی۔

فَصَارَ لَهُمْ اَبًا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے لیے والد کی مانند تھے۔ (۱)

وَصَارُوْا عِنْدَهٗ فِي الْحَقِّ سَوَاءً

اور تمام لوگ حقوق میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک برابر تھے۔

مَجْلِسُهٗ مَجْلِسُ عِلْمٍ (وَفِيْ نُسْخَةٍ مَجْلِسُ حِلْمٍ) وَحَيَاءٍ وَاَمَانَةٍ وَصَبْرٍ

آپ کی مجلس، علم وحلم، حیا اور صبر وامانت کی مجلس تھی۔ (۲)

لَا تُرْفَعُ فِيْهِ الْاَصْوَاتُ وَلَا تُؤْبَنُ فِيْهِ الْحُرَمُ

نہ اس میں آوازیں بلند ہوتیں اور نہ ہی عزتیں پامال کی جاتیں (۳)

(۱) ابن ماجہ کی ایک حدیث میں ہے: اِنَّمَا اَنَا لَكُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهٖ اُعَلِّمُكُمْ ''میں تمہارے لیے ایسے ہی ہوں جیسے کوئی والد اپنی اولاد کے لیے ہوتا ہے اور میں تمہیں تعلیم دیتا ہوں''۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ والد کو اولاد کی تربیت کی فکر کرنا چاہیے نیز یہ کہ امیر اور ذمہ داران کو والد کی مانند کردار ادا کرنا چاہیے یعنی ماتحتوں کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کرنا چاہیے اور شفقت ومودّت میں والد جیسا طرزِ عمل رکھنا چاہیے۔

(۲) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلِ مجلس کی یہ نمایاں خوبیاں تھیں۔

(۳) بری باتوں کا ذکر نہ کیا جاتا، کسی کی عیب جوئی، تہمت زنی، الزام تراشی اور ہر وہ کام جس سے کسی کی عزت پامال ہوتی، بچا جاتا تھا۔

وَلَا تُنْثٰى فَلَتَاتُهٗ (۱)

اور نہ ہی کسی کی غلطیوں کی تشہیر کی جاتی۔ (۲)

مُتَعَادِلِيْنَ بَلْ كَانُوْا يَتَفَاضَلُوْنَ فِيْهِ بِالتَّقْوٰى

آپس میں (حسباً ونسباً) سب برابر شمار کئے جاتے تھے۔البتہ ایک دوسرے پر فضیلت تقویٰ کی بنیاد پر ہوتی تھی۔

مُتَوَاضِعِيْنَ

تمام شرکاء دوسروں کے ساتھ تواضع سے پیش آتے تھے (۳)

يُوَقِّرُوْنَ فِيْهِ الْكَبِيْرَ وَيَرْحَمُوْنَ فِيْهِ الصَّغِيْرَ

بڑوں کی تعظیم کرتے تھے، چھوٹوں پر شفقت کرتے تھے (۴)

(۱) بعض کتابوں میں (تُثْنٰى) بھی وارد ہوا ہے لیکن معنی ایک سا ہے۔ (۲) محفل میں کسی سے ناروا قول وفعل یا سوال سرزد ہو جائے تو بجائے اسے اُچھالنے کے نظر انداز کرنے کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔
(۳) ایک دوسرے کے ساتھ تواضع اختیار کرنا اسلامی معاشرت کی خصوصیت ہے۔ اللہ تعالی نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا: وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾ (الشعراء:215) ''اے نبی! اپنے کندھے جھکائیے، اپنے پیروکار اہل ایمان کے لیے۔'' نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (اِنَّ اللّٰهَ اَوْحٰى اِلَيَّ اَنْ تَوَاضَعُوْا) (صحیح مسلم) ''بے شک اللہ نے میری جانب وحی کی کہ آپس میں تواضع اختیار کرو'' اور فرمایا: (وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ) (صحیح مسلم) ''جو کوئی بھی اللہ کی خاطر دوسرے کے سامنے تواضع اختیار کرے گا اللہ اسے بلندی عطا کرے گا۔'' ایک دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا: (تَوَاضَعُوْا لِمَنْ تَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُ وَلِمَنْ تُعَلِّمُوْنَهٗ) (جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبد البر) ''جن سے علم سیکھتے ہو ان کے سامنے تواضع اختیار کرو اور جنہیں سکھاتے ہو ان کے سامنے بھی تواضع اختیار کرو۔''
پس امیر و مامور، معلم و متعلم غرض ہر ایک کو دوسرے کے ساتھ تواضع کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ اس سے ہمارا معیارِ اخلاق بہتر ہوگا اور اخروی درجات حاصل ہوں گے اور دعوت و تربیتی اور جماعتی نظم مضبوط ہوگا۔ (۴) آپ ﷺ نے فرمایا: (لَيْسَ مِنْ اُمَّتِيْ مَنْ لَمْ يُجِلَّ كَبِيْرَنَا، وَيَرْحَمْ صَغِيْرَنَا، وَيَعْرِفْ لِعَالِمِنَا) ''جو ہمارے چھوٹے پر شفقت نہ کرے بڑے کی عزت نہ کرے اور ہمارے دین کے عالم کا حق نہ پہچانے تو وہ میری امت میں سے نہیں۔'' (صحیح الترغیب والترھیب) آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَلْبَرَكَةُ مَعَ أَكَابِرِكُمْ)) ''برکت تمہارے بڑوں کے ساتھ ہے۔'' (ایضاً)

وَيُؤْثِرُوْنَ ذَا الْحَاجَةِ وَيَحْفَظُوْنَ الْغَرِيْبَ

اہلِ حاجت کو ترجیح دیتے تھے، اجنبی مسافر آدمی کی خبر گیری کرتے تھے''۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ساتھیوں کے ساتھ رویہ:

قَالَ الْحُسَيْنُ: سَأَلْتُ اَبِيْ عَنْ سِيْرَةِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فِيْ جُلَسَائِهِ فَقَالَ:

''حضرت حسینؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ ہم جلیسوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت کیسی تھی؟ انھوں نے جواب دیا کہ

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دَائِمَ الْبِشْرِ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمیشہ ہشاش بشاش رہا کرتے تھے۔ (۱)

سَهْلَ الْخُلُقِ لَيِّنَ الْجَانِبِ

خوش اخلاق اور نرم مزاج و نرم خُو تھے۔

لَيْسَ بِفَظٍّ وَّلَا غَلِيْظٍ

نہ تو تُرش رُو تھے اور نہ ہی سخت دل تھے۔ (۲)

(۱) پیچھے بیان ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم غمگین رہا کرتے تھے لیکن یہاں بیان ہو رہا ہے کہ آپ ہمیشہ ہشاش بشاش نظر آتے تھے۔ اس میں تطبیق یہ ہے کہ آپ اپنے غم کو تنہائی تک محدود رکھتے تھے لیکن ساتھیوں کے سامنے ہشاش بشاش رہا کرتے تھے کیونکہ یہ ساتھیوں کی دلجُوئی اور تالیفِ قلب کے لیے ضروری تھا۔ (۲) اللہ تعالی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران 159)

''اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! یہ تو اللہ کی رحمت ہے کہ آپ ان کے حق میں بہت نرم ہیں اور اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) تند خُو اور سخت دل ہوتے تو یہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے ارد گرد سے منتشر ہو جاتے۔''

مربیّین اور ذمہ داران کے لیے ان اوصاف کا اہتمام بہت لازمی اور تربیت و تنظیم کے لیے ناگزیر ہے۔ اس کے بغیر اللہ تعالی کی مدد بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعا کرتے ہوئے فرمایا "اے اللہ! جو میری امت کے کسی بھی امر کا نگران اور والی بنے پھر ان پر سختی کرے تو اے اللہ تو بھی اس پر سختی فرما اور جو ان پر نرمی کرے اے اللہ تو بھی اس پر نرمی فرما۔ (مسلم)

وَلَا صَخَّابٍ وَلَا فَحَّاشٍ

نہ تو شور شرابہ کرنے والے تھے اور نہ ہی بدکلامی کرنے والے تھے۔(۱)

وَلَا عَيَّابٍ وَلَا مَشَّاحٍ

نہ زیادہ عیب نکالنے والے تھے اور نہ ہی زیادہ خواہشات رکھنے والے تھے(۲)

يَتَغَافَلُ عَمَّا لَا يَشْتَهِي

جو چیز پسند نہ ہوتی اس سے تغافل فرماتے۔

وَلَا يُؤْيِسُ مِنْهُ رَاجِيهِ وَلَا يُخَيَّبُ فِيهِ

اور امید لگانے والے کو مایوس نہ کرتے تھے اور نہ ہی اُسے ناکام لوٹاتے

(۱) تربیت کے میدان میں مربّی کو غلطی کی اصلاح کے لیے سرزنش کی ضرورت بھی پڑتی ہے لیکن اس میں زیادہ شور شرابہ اور لعن طعن یا سخت سست کہنا غیر مناسب طرز عمل ہے۔اس رویے سے لوگ اصلاح قبول نہیں کرتے بلکہ ان کے اندر ردِّ عمل اور ضد پیدا ہو جاتی ہے۔ اصلاح کے لیے دلسوزی ہمدردی اور نرم گفتگو کے ذریعے مخاطب کے دل کو نرم کرنا چاہیے۔ (۲) ہر وقت نکتہ چینی اور غلطیاں نکالتے رہنے والے سے لوگ متنفّر ہو جاتے ہیں۔خصوصاً امراء کو اس کا خیال رکھنا چاہیے۔خواہشات سے دنیاوی امور کی خواہشیں مراد ہیں جو انسان طبعی رغبت کے تحت کرتا ہے۔(مشاح) کے لفظ کی مختلف روایتیں ہیں ایک روایت میں (مَدَّاح) زیادہ تعریف کرنے والا آیا ہے۔بکثرت احادیث میں مدح کرنے سے روکا گیا ہے خصوصاً منہ پر، البتہ بعض احادیث سے یہ مطلب بھی معلوم ہوتا ہے کہ ممدوح کے فتنے میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو منہ پر تعریف کی بھی جا سکتی ہے لیکن یہ بھی اس صورت میں جب کوئی استاد کسی شاگرد کی حوصلہ افزائی کرنا چاہ رہا ہو۔البتہ (مَدَّاح) کے لفظ سے بکثرت اور زیادہ تعریفیں کرنا مراد ہے جو ظاہر ہے ممنوع ہے۔ اس لفظ کی ایک روایت (مَزَّاح) ''بکثرت مذاق کرنے والا'' بھی ہے: امام نووی مزاح کے بارے میں لکھتے ہیں''کثرتِ مزاح تضحیک و ایذا اور قساوتِ قلبی کا باعث بنتا ہے۔البتہ کبھی کبھار مباحات کے دائرے میں مذاق کیا جا سکتا ہے جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابیؓ سے کہا تھا کہ میں تمہیں اونٹ کے بچے پر سوار کروں گا۔'' (الاذکار)

تھے۔[۱]

قَدْ تَرَكَ نَفْسَهُ مِنْ ثَلَاثٍ:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود کو تین کاموں سے بچا رکھا تھا:

اَلْمِرَاءِ وَالْاِكْثَارِ وَمَا لَا يَعْنِيهِ

اپنے لیے جھگڑا کرنے سے، زیادہ حاصل کرنے کی خواہش سے اور لایعنی کاموں سے۔[۲]

وَتَرَكَ النَّاسَ مِنْ ثَلَاثٍ:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے بارے میں تین کام نہیں کرتے تھے۔

(۱) واقف ہوتے بھی ناواقفیت ظاہر کرنے کو تغافل کہتے ہیں۔ (رَاجِیْه) اور (فِیْه) کی ضمیر کے مرجع اور (یُخَیِّبُ) کے لفظ کے اختلاف (یُجِیبُ بھی نقل ہوا ہے) کے سبب دو مطلب ہیں پہلا یہ ہے کہ جو چیز طبعی طور پر ناپسند فرماتے اس سے تغافل فرماتے لیکن اس سے رغبت رکھنے والے کو مایوس و منع نہ کرتے البتہ اس کام کی حوصلہ افزائی بھی نہ کرتے۔ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گوہ کا گوشت پیش کیا گیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناپسندیدگی کی وجہ سے نہ کھایا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کھایا تو انہیں منع بھی نہ کیا۔اس سے تعلیم ملتی ہے کہ مباحات کے دائرے میں دوسروں کے مزاج کا خیال رکھنا چاہیے اور اپنے مزاج کو دوسروں پر ٹھونسنا نہیں چاہیے اور نہ ہی اسے دین کے تقاضے کے طور پر پیش کرنا چاہیے۔ ایک مطلب یہ ہے کہ خود سے امید لگانے والے کو مایوس نہ کرتے اور بالکل ہی ناکام نہ لوٹاتے بلکہ اگر اہتمام نہ ہوسکا تو کسی سے سفارش فرمادیتے اور پھر بھی نہ ہوسکے تو تسلی و دلاسہ دے کر رخصت کرتے اور بعض اوقات تو بعد میں کسی وقت آنے کا کہہ دیتے۔

(۲) زیادہ جھگڑا اور بحث ومباحثہ سے دوستی اور محبت متاثر ہوتی ہے ابن اَبی لیلیٰ کہتے ہیں میں اپنے دوست سے بحث نہیں کرتا کیونکہ یا تو میں اسے غلط ثابت کروں گا (تو اسے غصہ آئے گا) یا پھر مجھے اس پر غصہ آئے گا کیونکہ وہ مجھے غلط ثابت کرے گا۔انس بن مالک رض کہتے ہیں کہ جھگڑا اور بحث و مباحثہ دل کو سخت کر دیتا ہے۔ لفظ (اِکْثَار) سے زیادہ مال ودولت اکھٹا کرنا یا پھر کثرت سے کلام کرنا مراد ہے۔ ایک اور روایت میں (اِکْبَار) کا لفظ نقل ہوا ہے جس کا مطلب ہے بڑا بننا یعنی آپ کو لوگوں کے درمیان بڑا بننے کا شوق نہیں تھا۔ لایعنی وہ کام ہیں جن میں نہ تو دین کا کوئی فائدہ ہے اور نہ ہی دنیا کا کوئی حقیقی فائدہ ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا انسان کے ایمان کی خوبصورتی میں سے ہے کہ وہ لایعنی کاموں کو چھوڑ دے (ترمذی)۔

كَانَ لَا يَذُمُّ اَحَدًا وَّلَا يَعِيبُهُ وَلَا يَطْلُبُ عَوْرَتَهُ

نہ تو کسی کی مذمت کرتے، نہ کسی کی عیب جوئی کرتے اور نہ ہی لوگوں کے پوشیدہ معاملات کے پیچھے پڑا کرتے۔(۱)

وَلَا يَتَكَلَّمُ اِلَّا فِيمَا رَجَا ثَوَابَهُ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہی بات کرتے جس میں ثواب کی امید ہوتی۔(۲)

(۱) پہلے بیان ہوا کہ آپ برائی کی مذمت کرتے تھے یہاں بیان ہو رہا ہے کہ آپ کسی شخص کی مذمت نہ کرتے تھے۔اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عام طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی بُرے شخص کی مذمت نہ کرتے تھے بلکہ اس برائی کی مذمت فرماتے تھے جو اس میں ہوتی۔ایک مطلب یہ بھی ہے کہ بُرے شخص کی مذّمت غیر معیّن طور پر کرتے یعنی یہ نہ کہتے کہ فلاں ایسا کرتا ہے بلکہ یوں کہا کرتے کہ بعض لوگ یہ کام کرتے ہیں۔اس کے بعد عیب چینی کا ذکر ہوا ہے۔مذمت اور عیب چینی میں فرق یہ کیا گیا کہ مذمت تو منہ در منہ کی جاتی ہے جبکہ عیب چینی پسِ پشت کی جاتی ہے۔بعض روایات میں (يُعَيِّبُهُ) کی جگہ (يُعَيِّرُهُ) نقل ہوا ہے اس سے مراد کسی گناہ پر عار دلانا ہے۔اس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی کو گناہ پر عار دلائے گا تو وہ خود اس گناہ میں مبتلا ہو کر مرے گا (ترمذی) تیسری چیز پوشیدہ معاملات کی کھود کرید میں پڑنا ہے اس سے سُوئے ظن اور دیگر مَفاسد پیدا ہوتے ہیں۔بہت سی احادیث میں اس سے روکا گیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (لَا تُؤْذُوْا عِبَادَ اللهِ، وَلَا تُعَيِّرُوْهُمْ، وَلَا تَطْلُبُوْا عَوْرَاتِهِمْ؛ فَاِنَّهُ مَنْ طَلَبَ عَوْرَةَ اَخِيهِ الْمُسْلِمِ طَلَبَ اللهُ عَوْرَتَهُ حَتّٰى يَفْضَحَهُ فِي بَيْتِهِ) (مسند احمد) ''اللہ کے بندوں کو تنگ مت کرو، نہ ہی انہیں عار دلاؤ اور نہ ہی ان کے پوشیدہ عیبوں کے پیچھے پڑو جو ایسا کرے گا تو اللہ اس کے عیبوں کے پیچھے پڑ جائے گا اور جس کے پیچھے اللہ پڑ جائے گا اسے اپنے ہی گھر کے بیچ ذلیل کر دے گا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (اِنَّ الْاَمِيرَ اِذَا ابْتَغَى الرِّيبَةَ فِي النَّاسِ اَفْسَدَهُمْ) ''جب امیر لوگوں میں شک وشبہ (اور تجسس وغیرہ) شروع کر دے تو لوگوں کو خراب کر دیتا ہے۔'' (سنن ابی داؤد) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا معاویہؓ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّكَ اِنِ اتَّبَعْتَ عَوْرَاتِ النَّاسِ اَفْسَدْتَهُمْ (سنن ابی داؤد) ''اگر تم لوگوں کی پوشیدہ باتوں کے پیچھے پڑو گے تو انہیں خراب کر دو گے۔'' پس تمام مسلمانوں اور خصوصاً اسلامی تحریکوں کے رُفقاء واُمَراء کو تجسس وجاسوسی اور سُوئے ظن وغیرہ سے مجتنب رہنا چاہیے۔

(۲) پہلے بیان ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر ضرورت کے بات نہیں کرتے تھے اب بیان ہو رہا ہے کہ آپ ثواب والی گفتگو کرتے تھے۔ثواب والی گفتگو سے مراد دعوت وتبلیغ یا تذکیر بالقرآن وحدیث ہے۔چاہیے کہ مباح گفتگو ضرورت کے مطابق کم سے کم کی جائے۔امام نوویؒ ریاض الصالحین ◄◄

وَاِذَا تَكَلَّمَ اَطْرَقَ جُلَسَاؤُهٗ

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گفتگو فرماتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے صحابہؓ اپنی گردنیں جھکا لیتے۔

كَاَنَّمَا عَلٰى رُؤُوْسِهِمُ الطَّيْرُ

گویا اُن کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ (۱)

فَاِذَا سَكَتَ تَكَلَّمُوْا، لَا يَتَنَازَعُوْنَ عِنْدَهُ الْحَدِيْثَ

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش ہو جاتے تب وہ بولتے اور آپ کے سامنے کسی بات میں بھی تنازع پیدا نہ کرتے۔ (۲)

وَمَنْ تَكَلَّمَ عِنْدَهُ اَنْصَتُوْا لَهٗ حَتّٰى يَفْرُغَ

اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کوئی اور بات کرتا تو دوسرے خاموش رہتے (اور اس کی بات سنتے) یہاں تک کہ وہ بات سے فارغ ہو جاتا۔ (۳)

حَدِيْثُهُمْ عِنْدَهُ حَدِيْثُ اَوَّلِهِمْ

ان (میں سے ہر ایک) کی بات ایسی ہوتی جیسے پہلے کی بات (۴)

◀◀ میں لکھتے ہیں کہ گفتگو کی تین اقسام ہیں ایک حرام گفتگو، دوسری مستحب یعنی ثواب والی گفتگو اور تیسری مباح گفتگو، لہٰذا مباح گفتگو کم سے کم کی جائے کیونکہ مباح کی کثرت مکروہ یا حرام کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ (۱) کئی محدثین کی مجالس کا یہی حال نقل ہوا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علمی مجالس خصوصاً قرآن و حدیث کی تعلیم کے دوران باادب، متواضع اور متوجہ ہو کر بیٹھنا چاہیے تاکہ فوائد و برکات حاصل ہو سکیں۔ (۲) صدرِ مجلس کے سامنے باہمی بحث اور ان کے خاموش ہو جانے تک کسی کو بھی بولنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ (۳) صدرِ مجلس کے خاموش ہونے کے بعد باری باری اپنی بات کرنی چاہیے، دوسرے کی بات کاٹنے سے بچتے ہوئے توجہ سے اس کی بات کو سننا چاہیے۔ (۴) یعنی اہلِ مجلس پر اکتاہٹ طاری نہیں ہوتی تھی بلکہ یوں محسوس ہوتا تھا کہ گویا ابھی بات شروع ہوئی ہے۔

يَضْحَكُ مِمَّا يَضْحَكُوْنَ مِنْهُ

جن باتوں سے صحابہ ؓ ہنستے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اُن باتوں پر ہنستے۔

وَيَتَعَجَّبُ مِمَّا يَتَعَجَّبُوْنَ مِنْهُ

اور جن باتوں پر صحابہ ؓ تعجّب کا اظہار کرتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اُن پر اظہار تعجب فرماتے۔

وَيَصْبِرُ لِلْغَرِيْبِ عَلَى الْجَفْوَةِ فِيْ مَنْطِقِهٖ وَمَسْأَلَتِهٖ

اجنبی کی بدکلامی اور سوال میں بدتمیزی پر صبر فرماتے۔ (۱)

حَتّٰى اِنْ كَانَ اَصْحَابُهٗ لَيَسْتَجْلِبُوْنَهُمْ

یہاں تک کہ اس پر بھی کہ اگر صحابہ ؓ ان اجنبیوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں لے آتے۔ (۲)

وَيَقُوْلُ: اِذَا رَاَيْتُمْ طَالِبَ حَاجَةٍ يَطْلُبُهَا فَارْفِدُوْهُ

بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے جب تم کسی حاجت مند کو پاؤ تو اس کی مدد کیا کرو۔ (۳)

وَلَا يَقْبَلُ الثَّنَاءَ اِلَّا مِنْ مُكَافِئٍ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تعریف و مدح قبول نہ فرماتے مگر صرف اُسی کی جو میانہ روی سے کام لے۔

(۱) مدرسین و مربیین کو سوالات کے جواب میں تحمل و برداشت کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

(۲) اصل میں صحابہ کرام ؓ ادب و احترام کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سوال نہ کیا کرتے تھے، اس لیے ان کی خواہش ہوتی کہ کوئی اجنبی آئے اور وہ سوال کرے تاکہ ہم بھی استفادہ کریں۔

(۳) رِفد، گھاٹ یا مقامِ مطلوب کو کہتے ہیں۔ مدد کے لیے اس لفظ کا استعمال بہت معنی خیز ہے۔ مطلب یہ کہ اگر سائل کا جائز کام آپ کے اپنے ہاتھ میں ہے تو اسے پورا کردیں۔ بصورت دیگر اسے اس شخص یا جگہ تک پہنچادیں جہاں سے وہ کام ہونے کی توقع ہے۔

وَلَا يَقْطَعُ عَلَى اَحَدٍ حَدِيْثَهٗ حَتّٰى يَجُوْزَ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کی بات قطع نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ (حد یا حق سے) تجاوز نہ کر جاتا۔

((فَيَقْطَعُهٗ بِنَهْيٍ اَوْ قِيَامٍ))

تب اس کی بات ختم کر دیتے یا تو منع کر کے یا پھر مجلس سے اٹھ کر تشریف لے جاتے۔ (۱)

امِ معبدؓ کی زبان سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصف:

سفرِ ہجرت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب ابو بکر صدیقؓ اور ان کے غلام عامر بن فہیرہؓ، اور راستہ بتلانے والے عبداللہ بن اُریقط اللیثی (۲) کے ساتھ عاتکہ بنت خالد امِ معبد الخزاعیہؓ کے خیمے کے پاس سے گزرے اور ان سے گوشت اور کھجور وغیرہ طلب کیا تا کہ خرید سکیں۔ کچھ نہ ملنے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیمے کے پاس بندھی ایک بکری کا دودھ نکالنے کی اجازت چاہی جو کمزوری اور بڑھاپے کی وجہ سے دوسری بکریوں کے ساتھ چرنے چگنے بھی نہیں جا سکی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بکری کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا اور بسم اللہ پڑھی تو اس کے تھنوں میں دودھ اتر آیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برتن منگوا کر دودھ نکالا تو برتن بھر گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دودھ امِ معبدؓ کے پینے کو دیا انہوں نے پی لیا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں نے پیا اور آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ اَور دودھ نکالا اور برتن بھر کر امِ معبدؓ کو دے دیا۔ پھر اپنے

(۱) پہلے بیان ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساتھ بیٹھنے والے کے ساتھ بیٹھے رہتے تھے لیکن جب وہ بہت زیادہ وقت لگا دے یا ناحق باتیں شروع کر دے تب اس کو یا صاف منع فرماتے یا اگر وہ باز نہ آتا تو مجلس ہی سے تشریف لے جاتے۔ (۲) علامہ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ امام ذہبیؒ کے علاوہ کسی نے ان کے اسلام کا ذکر کیا ہے اور مقدسیؒ کہتے ہیں کہ ان کا اسلام لانا معروف نہیں ہے اور نوویؒ نے بھی تہذیب الاسماء میں یہی رائے اختیار کی ہے۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ)

دودھ کی قیمت ادا کی، کچھ آرام کیا اور آگے چل پڑے۔ ان کے جانے کے بعد اس خاتون کا خاوند، اکثم بن ابی الجون ابو معبدؓ آئے۔ جب انھوں نے دودھ دیکھا تو حیران ہوکر پوچھا یہ دودھ کہاں سے آیا جبکہ گھر میں جو بکری ہے وہ تو دودھ دینے سے قاصر ہے۔ امِّ معبدؓ نے کہا آج ایک بابرکت ہستی آئی تھی اور پھر واقعہ بیان کیا ابو معبدؓ نے ان سے کہا ان کی صفت بیان کرو تو وہ یوں گویا ہوئیں:

رَاَیْتُ رَجُلًا ظَاهِرَ الْوَضَاءَةِ

میں نے ایک ایسا آدمی دیکھا ہے جس کا حسن و جمال ظاہر تھا۔

اَبْلَجَ الْوَجْهِ، حَسَنَ الْخَلْقِ

صاف شفاف، چمکتا دمکتا چہرہ تھا، اعضا خوبصورت ومتناسب تھے۔

لَمْ تَعِبْهُ نُحْلَةٌ (او ثُجْلَةٌ) وَلَمْ تُزْرِ بِهٖ صَعْلَةٌ

بدن اتنا کمزور (یا اتنا موٹا) نہ تھا کہ باعث مشقت ہوتا، لمبی اور پتلی گردن عیب دار نہ تھی اور نہ ہی سر اتنا چھوٹا کہ باعث عیب ہوتا۔

وَسِیْمٌ قَسِیْمٌ

نین نقش عمدہ تھے، چہرہ تروتازہ وحسین تھا (یا تقسیم اچھی طرح کرنے والے تھے)۔

فِیْ عَیْنِهٖ دَعَجٌ، وَفِیْ اَشْفَارِهٖ غَطَفٌ

آنکھوں کی سیاہی اور سفیدی دونوں زوروں پر تھیں اور ان کی پلکوں میں طول اور خم تھا۔

وَفِیْ صَوْتِهٖ صَهَلٌ (اَوْ صَحَلٌ)، وَفِیْ عُنُقِهٖ سَطَعٌ

آواز میں خاص آہنگ وکھنک تھی اور گردن میں طول (یا نور) تھا۔

وَفِیْ لِحْیَتِهٖ كَثَاثَةٌ، اَزَجُّ اَقْرَنُ اِنْ صَمَتَ فَعَلَیْهِ الْوَقَارُ

داڑھی گھنیری، ابرُو بھرپور، گھنے، نزدیک اور کماندار تھے خاموش رہتے تو وقار و دبدبہ چھایا رہتا۔

وَاِنْ تَكَلَّمَ سَمَا وَعَلَاهُ الْبَهَاءُ

جب تکلم فرماتے تو بلند آہنگی کے ساتھ کہ نمایاں ہو کر چھا جاتے اور ان پر تازگی اور بہار اتر آتی۔

اَجْمَلُ النَّاسِ وَاَبْهَاهُ مِنْ بَعِيْدٍ، وَاَحْلَاهُ وَاَحْسَنُهُ مِنْ قَرِيبٍ

دور سے بھی تمام لوگوں سے حسین وجمیل اور پر رونق دِکھتے (دکھائی دیتے) تھے اور نزدیک سے تو اور پیارے اور خوبصورت لگتے تھے۔

حُلْوُ الْمَنْطِقِ، فَصْلٌ، لَا نَزْرٌ وَلَا هَزْرٌ

شیریں بیان وخوش گفتار تھے، ٹھہر ٹھہر کے بولتے، نپی تلی گفتگو فرماتے الفاظ نہ کم نہ زیادہ۔

كَاَنَّ مَنْطِقَهٗ خَرَزَاتُ نَظْمٍ يَتَحَدَّرْنَ

بولتے تو یوں لگتا جیسے لعل و یاقوت کی لڑی سے موتی بکھر رہے ہوں۔

رَبْعَةٌ لَا يَأْسَ مِنْ طُوْلٍ، وَلَا تَقْتَحِمُهُ عَيْنٌ مِنْ قِصَرٍ

قد ایسا درمیانہ کہ لمبائی سے محروم نہ ہو لیکن دیکھنے میں پستہ قامت بھی نہ لگے۔

غُصْنٌ بَيْنَ غُصْنَيْنِ فَهُوَ اَنْضَرُ الثَّلَاثَةِ مَنْظَرًا، وَاَحْسَنُهُمْ قَدْرًا

دو شاخوں (ایک انتہائی لمبی اور دوسری انتہائی پست) میں سے درمیانی شاخ کی مانند تھے اپنے تینوں ساتھیوں سے زیادہ خوش نما تھے ان کی قدر

بھی زیادہ کی جاتی تھی۔

لَهٗ رُفَقَاءُ يَحُفُّوْنَ بِهٖ اِنْ قَالَ اَنْصَتُوْا لِقَوْلِهٖ

ان کے ساتھی ان پر جان نچھاور کرتے تھے، اگر وہ بات کرتے تو وہ متوجہ ہو کر بات سنتے۔

وَاِنْ اَمَرَ تَبَادَرُوْا اِلٰى اَمْرِهٖ

اور اگر کوئی حکم دے دیتے تو ہر ایک تعمیل میں سبقت لے جانا چاہتا،

مَحْفُوْدٌ، مَحْشُوْدٌ

ان کی خدمت کی جاتی اور ساتھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بھاگ دوڑ پر آمادہ اور آگے پیچھے پھرا کرتے۔ (۱)

(۱) قرآن کریم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاص ادب و احترام سکھایا گیا ہے اسی کے زیر اثر صحابہ کرامؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص عقیدت رکھتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ عزت و توقیر چونکہ حاملِ دین اور پیغمبرِ خدا ہونے کے ناتے تھی اس لیے درجہ بدرجہ یہ ادب ان تمام لوگوں کے لیے بھی ہے جو حاملِ دین یا محافظِ دین ہیں۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(اِنَّ مِنْ اِجْلَالِ اللّٰهِ اِكْرَامَ ذِی الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ وَحَامِلِ الْقُرْآنِ غَيْرِ الْغَالِی فِيهِ وَالْجَافِی عَنْهُ وَاِكْرَامَ ذِی السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ) (سنن ابی داؤد و اسنادہ حسن کما فی ریاض الصالحین)

''بے شک بوڑھے مسلمان کی عزت، ایسے حاملِ قرآن کی عزت کرنا جو قرآن کے آداب و حدود کو پامال نہ کرتا ہو اور نہ ہی اس سے بے رغبتی و بے تعلقی کا مظاہرہ کرتا ہو اور عادل حکمران کی عزت کرنا، اللہ کی عزت میں سے ہے۔''

لہٰذا علماء و صلحاء کی عزت اور ادب و احترام اسلامی روایات میں سے ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ سورۃ الحجرات میں بیان کردہ ادب و آدابِ نبوی نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اسی ادب و احترام کا ایک عکس اپنے امراء کے لیے بھی ہونا چاہیے (جیسا کہ) بیعتِ ارشاد میں بھی مُرشد کا ادب و احترام سکھایا جاتا ہے۔ ادب و احترام نہ ہوگا تو کچھ حاصل نہ ہوگا ''با ادب بانصیب بے ادب بے نصیب''، یہی معاملہ درجہ بدرجہ نظمِ جماعت میں بھی درکار ہے کہ ہر شخص اپنے سے بالاتر (امیر) کے ساتھ یہی رویہ اختیار کرے (حزب اللہ کے اوصاف صفحہ:296) یہ ادب و احترام، سمع و طاعت، ایثار و قربانی جماعتی استحکام کے لیے ضروری ہے۔ غور کیجیے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کے سفیر نے واپس ◄◄

لَا عَابِسٌ وَلَا مُفَنَّدٌ (اَوْ مُعْتَدٍ)

لیکن اس سب کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ تو ساتھیوں کے ساتھ اِظہارِ برہمی فرماتے اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتوں کو بےکار سمجھا جاتا تھا (اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیادتی کرنے والے تھے)۔ (۱)

[یہ تعریف سن کر ان کے خاوند ابو معبد رضی اللہ عنہ نے کہا یہ تو وہی معلوم ہوتے ہیں جن کا چرچا قریش میں ہے۔ میرا تو ان کا ساتھ دینے کا ارادہ تھا اور اب بھی اگر مجھے ان تک جانے کا کوئی راستہ مل گیا تو میں ان کا ساتھ دوں گا۔ یہ دونوں میاں بیوی بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔]

✪-✪-✪

◄◄ جا کر قریش کو کس بات سے ڈرایا تھا؟ وہ تعداد و اسلحہ کا خوف نہیں تھا بلکہ انہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے سمع و طاعت، جان نثاری اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادب و احترام سے ڈرایا تھا۔ پس چاہیے کہ اپنے امراء، ذمہ داران اور خصوصاً امیر تنظیم (جماعت) کے ساتھ ادب و احترام اور عقیدت و محبت کا تعلق رکھا جائے۔

(۱) ساتھیوں کی جان فروشی اور ادب و احترام کے بالمقابل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رویہ شفقت و رحمت والا تھا پس ذمہ داران کو چاہیے کہ رفقاء کے ساتھ اسی قسم کا یعنی تواضع و انکساری کے رویے کا مظاہرہ کریں۔

شمائل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موضوع پر چند کتابوں کی فہرست

الخصائص الکبری/ امام جلال الدین سیوطیؒ/ مترجم علامہ مقبول احمد/ ضیا القرآن پبلی کیشنز۔ لاہور

الشفا فی تعریف حقوق المصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام / قاضی عیاضؒ/ مترجم علامہ سید احمد علی شاہ/ فرید بک سٹال، لاہور۔

الشفا/ قاضی عیاضؒ/ مترجم: مفتی سید غلام معین الدین نعیمی/ مکتبہ اعلیٰ حضرت، لاہور۔

انوار محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام/ تلخیص المواہب اللدنیہ/) علامہ یوسف بن اسماعیل/ مترجم غلام ربانی عزیز/ مکتبہ نبویہ۔ لاہور

شمائل محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام / استاد محمد جمیل زینو/ مترجم ابوضیا محمود احمد غضنفر/ الفلاح پبلیکیشنز لاہور

خصائل نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام اردو شرح شمائل ترمذی/ عبدالصمد ریالوی، منیر احمد وقار/ مکتبہ انصار السنہ لاہور

خصائل نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام اردو ترجمہ شمائل ترمذی/ شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلویؒ/ دارالاشاعت کراچی

تخریج

روایت ہند بن ابی ہالہ:

شمائل المحمدیہ لامام ابی عیسیٰ الترمذی، باب ماجاء فی خَلق رسول اللہ ﷺ، باب مَاجِاءَ فی تواضعِ رَسول ﷺ، باب ماجاء فی خُلُقِ رَسُولِ ﷺ و رواہ کثیر من المحدثین

روایت ام معبد:

مستدرک حاکم، کتاب التواریخ، کتاب الھجرۃ، و رواہ البیھقی فی دلائل النبوۃ، جِماع ابواب صفۃ رسول اللہ، باب حدیث ام معبد، و رواہ الاصبھانی فی الدلائل و السیوطی فی الخصائص الکبریٰ و ابن کثیر فی البدایہ و النہایہ، باب فی ھجرۃ رسول اللہ ﷺ

استفادہ برائے ترجمہ وتشریح

خصائل نبوی اردو ترجمہ شمائل ترمذی، شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی

خصائل نبوی اردو شرح شمائل ترمذی، عبدالصمد ریالوی، منیر احمد وقار

جمع الوسائل فی شرح الشمائل و شرح الشفا کلاھما لملا علی القاری (متوفی 1014)

المواہب اللدنیہ علی الشمائل المحمدی لابراہیم ابن الباجوری (متوفی 1277)

منتھی السؤال علی وسائل الوصول إلی شمائل الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبد اللہ بن سعید بن محمد المکی (متوفی: 1410ھ)